جمہوریت مسائل کی جڑ
خلافت مسائل کا حل

نوید بٹ

(پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل انگریز کی غلامی سے نجات اور اسلامی نظام تلے زندگی بسر کرنے کی خواہش نے دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کو جنم دیا۔ جس کے دوران لاکھوں مسلمان شہید کیے گئے اور ہزاروں عصمتیں پامال ہوئیں۔ لیکن افسوس کہ تاریخ کی اتنی عظیم قربانی کے باوجود برصغیر کے مسلمان آزاد نہ ہو سکے۔ انگریز کا چہرہ تو چھپ گیا لیکن انگریز کا نظام بدستور قائم و دائم رہا۔ اس استعماری نظام کو نافذ کرنے کے لئے استعمار نے کبھی جمہوریت اور کبھی آمریت کا سہارا لیا۔ استعماری کفار اس بات سے آگاہ تھے کہ مسلمانوں پر اپنے غلبے کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اسلام، اس کے تصورات اور اسلام کے نظاموں سے دور کیا جائے، نیز کفار اس بات سے بھی واقف تھے کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے اور اُمت مسلمہ کو اسلام کے علاوہ کسی چیز کی طرف مائل کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اسی لئے کفار نے مسلمانوں کے علاقوں پر قبضے کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف ایک بھرپور ثقافتی یلغار کا بھی آغاز کیا تاکہ مسلمانوں کے ذہن سے اسلام اور اس کے نظاموں کے واضح تصور کو دُھندلا کر دیا جائے نیز انہوں نے اپنے تصورات اور نظاموں کو اسلام کے لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا تاکہ امتِ مسلمہ کو ان کے اجنبی اور اسلام سے متصادم ہونے کا احساس نہ ہو۔ مغرب کی اس ثقافتی یلغار نے جہاں عوام الناس کو متاثر کیا اس سے کہیں زیادہ امت کے مفکرین اس سے متاثر ہوئے، حتیٰ کہ اسلام کی چاہت رکھنے

والے مخلص مسلمان بھی ان تصورات کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بذاتِ خود مغربی افکار و تصورات اور مغرب کے مسلط کردہ نظام کے محافظ بن گئے۔ ان تصورات میں سے ایک اہم تصور جمہوریت کا ہے۔

آج جبکہ امت کے اندر استعمار کی غلامی سے نجات کی خواہش تیز سے تیز تر ہو رہی ہے اور اسلام کے دوبارہ نفاذ کا جذبہ مضبوط ہو رہا ہے یہ امر نہایت اہم ہے کہ امت کے سامنے اسلام کے نظامِ حکومت کا خاکہ واضح ہو، تاکہ وہ اپنی منزل کا صحیح تعین کر سکے۔ نیز امت کے سامنے جمہوریت کے تصور اور اس کی اصلیت کو واضح کر دیا جائے تاکہ وہ اسلامی نظام اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں تفریق کر سکے اور اسلام کے نام پر دھوکہ نہ کھائے۔

یہ کتابچہ اس ضمن میں ایک کاوش ہے جس میں جمہوریت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز جمہوریت کی حقیقت اور اسلام سے اس کے تناقض کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اور آخر میں خلافت کے ریاستی ڈھانچے کا خاکہ مختصراً پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے اذہان میں اس اسلامی ریاست کا تصور واضح ہو جائے، جسے دنیا کے نقشے پر رونما ہونے سے روکنے کے لیے مغرب کئی دہائیوں سے کوشاں ہے۔

میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ امت مسلمہ سے ہر فاسد اور اجنبی تصور کو اور مغربی ثقافتی یلغار کے ہر قسم کے اثر و نفوذ کو دور کر دے اور امت کو اسلام کے سچے تصورات کو تھامنے کی توفیق دے تاکہ امتِ مسلمہ ان تصورات کو بنیاد بناتے ہوئے اسلامی ریاستِ خلافت کے قیام کے ذریعے نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

اور اللہ کے لیے یہ ہرگز مشکل نہیں۔

جمہوریت مسائل کی جڑ ہے

عموماً جمہوریت کو اس بنیاد پر معاشرے میں پھیلایا جاتا ہے کہ اس نظام میں عوام کی بھرپور نمائندگی ممکن ہوتی ہے، حکمرانوں کا محاسبہ ہوتا ہے، حکمرانوں کا انتخاب عوام کی پسند سے ہوتا ہے، قوانین عوام کی مرضی اور مفاد میں بنائے جاتے ہیں، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے وغیرہ۔ لیکن جمہوریت پر عمیق نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ تمام دعوے خام خیالی پر مبنی ہیں۔ یہ نظام کس طرح مذکورہ بالا تمام مسائل کو حل کرنے کی بجائے مسائل کو جنم دیتا ہے یا ان میں مزید اضافہ کرتا ہے، آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

جمہوریت کے ذریعے عوام کی حقیقی نمائندگی ممکن ہی نہیں:

جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار چونکہ ایک مخصوص گروہ یعنی پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے، چنانچہ اسمبلیوں میں خود پہنچنا یا اپنے لوگوں کو اسمبلیوں تک پہنچانا مفاد پرست لوگوں کی کوششوں کا محور بن جاتا ہے تاکہ وہ قانون سازی کے انتہائی طاقتور ہتھیار کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتخابات میں کامیابی کے لیے طاقتور لابیوں اور استعماری قوتوں کے گماشتے، کروڑوں روپے کی ''سرمایہ کاری'' اور کارکنوں کی جانوں کا نذرانہ دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ جبکہ عوام کی نمائندگی اور ان کے مسائل حل کروانا ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ آج گاؤں میں بسنے والے، پاکستان کی کل آبادی کی غالب اکثریت ایک ایسے مخصوص

طبقہ کو ووٹ ڈال کر اپنا ''نمائندہ'' چننے پر مجبور ہیں جو ان پر سب سے زیادہ ظلم ڈھا رہا ہے۔ فقط اس لیے کہ ان کے مقابلے میں ایک عام کسان نہ تو الیکشن لڑنے کے لئے سرمایہ رکھتا ہے اور نہ ہی وہ جاگیردار کو ناراض کر کے اپنی جان و مال اور عزت لٹانے کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ نمائندگی کا یہ مسئلہ پاکستان کے جمہوری نظام کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ امریکہ میں بھی حکومت تک پہنچنے کے لیے سیاستدان کو سرمایہ دار ملٹی نیشنل کمپنیوں اور طاقتور لابیوں سے پیسہ، سیاسی مدد اور پشت پناہی درکار ہوتی ہے، چنانچہ ہر امیدوار الیکشن سے قبل فنڈز اکھٹے کرنے کے لئے ان سرمایہ داروں اور لابیوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اقتدار تک پہنچنے کے بعد ان سیاستدانوں کا اولین مقصد عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے انہی کمپنیوں اور طاقتور لابیوں کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ عراق کی جنگ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے جس میں امریکی حکومت نے عوام سے جھوٹ بول کر یہ جنگ لڑی اور اس جنگ کا فائدہ بش نواز امریکی کمپنیاں اٹھا رہی ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ہر جمہوریت میں اسمبلی میں منتخب ہونے والے سیاستدان درحقیقت عوام کے نہیں طاقتور لابیوں اور سرمایہ دار کمپنیوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس خلافت میں مجلسِ امت قانون ساز ادارہ نہیں ہوتی بلکہ مجلسِ امت میں آنے والے عوامی نمائندوں کی بنیادی ذمہ داری حکمران کا محاسبہ کرنا اور اسے حکمرانی سے متعلق امور میں مشورہ دینا ہے۔ نیز اسلام نے محاسبے کی ذمہ داری کو حکمرانی کے عہدے سے الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ عوامی نمائندوں کی ذمہ داری حکمرانی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس ضمن میں انہیں کسی قسم کے ترقیاتی فنڈز جاری کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا مفاد پرست طبقے کے لیے اس ادارے کا ممبر بننے میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ یوں اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جن کا مطمع نظر عوام کی خدمت کرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی ہوتا ہے اور جنہیں خود عوام الیکشن لڑواتے اور جتواتے ہیں۔ چنانچہ خلافت کا نظام ہی وہ واحد نظام حکومت ہے جس میں عوام کی حقیقی نمائندگی ممکن ہوتی ہے۔

جمہوریت میں حکمرانوں کا حقیقی محاسبہ نہیں ہوسکتا:

جمہوری نظام میں حکمران ٹولا جب چاہتا ہے قوانین میں ترامیم کر کے اپنی ذات اور اپنی پالیسیوں کو عدالتی کاروائی سے بالاتر بنا سکتا ہے۔ پاکستانی آئین کا آرٹیکل 248 پہلے ہی جمہوریت کے عین مطابق صدر، گورنر، وزراء وغیرہ کو اپنی ذمہ داری کی انجام دہی کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ اسی طرح عوام افغان جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے کر مسلمانوں کا قتل عام کرنے، پانچ سو سے زائد مسلمانوں کو گوانتاناموبے بھجوانے اور امریکہ کو اڈے فراہم کرنے جیسی باطل پالیسیوں کے خلاف بھی عوام عدالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جمہوری عمل کے عین مطابق پاکستان کی پارلیمنٹ نے سترھویں آئینی ترمیم کو دو تہائی اکثریت سے منظور کیا، جس کی رُو سے مشرف کے پہلے تین سال کے تمام اقدامات کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ یہی صورتِ حال مغرب کے جمہوری نظاموں کی ہے۔

مزید برآں جمہوریت میں چونکہ قوانین کسی بھی وقت تبدل کئے جا سکتے ہیں چنانچہ حکمران طبقہ عوامی خزانہ لوٹنے کے بعد جب چاہے قوانین میں ترامیم کر کے اپنے آپ کو قانونی تحفظ دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت میں محاسبہ ایک مذاق بن جاتا ہے۔ سیاست دانوں کو خوش کرنے کے لئے اکتوبر 2007 میں جاری کردہ قومی مفاہمتی آرڈیننس (NRO) اس قبیح حقیقت کی زندہ مثال ہے۔ جس میں قتل کے مقدموں سے لے کر اربوں روپے کی لوٹ مار کو محاسبے کے عمل سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اسلام کے نظامِ خلافت میں کوئی بھی شخص قانون اور محاسبے سے بالاتر نہیں خواہ وہ حکمران ہوں یا عدلیہ۔ اسلام نے حکمرانوں کے محاسبے کو فرض قرار دیا ہے، چنانچہ نہ تو خلیفہ اور نہ ہی عوامی نمائندوں کی اکثریت اپنے آپ کو قانون سے بالاتر کرنے یا محاسبے سے بچانے کے لئے اس پر کسی بھی قانون کے ذریعے قدغن لگا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں k میں حکمرانوں کا محاسبہ کرنے میں عوام ''آزاد'' نہیں کہ وہ جب چاہیں محاسبہ کریں اور جب حالات مشکل ہو جائیں تو وہ اس سے

کنارہ کش ہو جائیں۔ بلکہ فرض ہونے کے ناطے عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے حکمرانوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں، خواہ ایسا کرنا سہل ہو یا دشوار۔

جمہوریت بلیک میلنگ پر مبنی اور غیر مستحکم نظامِ حکومت ہے:

جمہوری نظام میں عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے حکومت کی تبدیلی کے خوف کی وجہ سے حکمران کی توجہ اراکینِ اسمبلی کی اکثریت کو خوش رکھنے پر مرکوز رہتی ہے۔ حکمران اپنی کرسی برقرار رکھنے کے لئے کبھی تو ترقیاتی بجٹ کے نام پر عوامی نمائندوں کو رشوت دیتا ہے اور کبھی انہیں وزیروں اور مشیروں کی فوج میں شامل کر کے نوازتا ہے۔ دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں کی سیاست کا محور پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرتے ہوئے عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے حکومت کو گرانا ہوتا ہے۔ یہ امر سیاسی اور حکومتی بحران کو جنم دیتا ہے، جس کے معیشت، خارجہ پالیسی اور داخلی امور پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں جب اسمبلی میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو تو ایسی صورتِ حال میں حکومت سازی کے لیے پارلیمنٹ کی اکثریت سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ امر سیاسی جماعتوں کے درمیان سودے بازی کو جنم دیتا ہے، اور بننے والی کوئی بھی حکومت ہمیشہ عدم استحکام اور پے در پے سیاسی بحرانوں کا شکار رہتی ہے۔ اسی طرح لسانی بنیادوں یا علاقائی بنیاد پر پر قائم ہونے والی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اپنے چند اراکینِ پارلیمنٹ کے ذریعے پریشر گروپوں کی صورت اختیار کر کے حکومتوں کو بلیک میل کرتی ہیں۔ اور حکمران اپنی مخلوط حکومتیں بچانے کے لئے ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتے ہیں اور یوں چھوٹی پارٹیاں جو انتہائی کم لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں، حکومتی پالیسیاں ڈکٹیٹ کراتی ہیں۔

جبکہ اسلام کے نظامِ حکومت میں ایک شخص خلیفہ بننے کے بعد کسی ایک جماعت کا نہیں بلکہ تمام امتِ مسلمہ کا خلیفہ ہوتا ہے اور اسے محض نمائندوں کی خواہش اور مرضی پر معزول نہیں کیا جاسکتا۔ خلیفہ کو صرف اس وقت ہی ہٹایا جاسکتا ہے جب وہ کفر قوانین نافذ کرے، یا اس میں خلیفہ

کے عہدے پر برقرار رہنے کی شرائط مفقود ہو جائیں یا اسے ہٹانا ظلم کو دور کرنے کے لیے لازمی ہو جائے؛ لہٰذا عدم اعتماد کی تلوار نہ ہونے کی بدولت خلیفہ جاگیرداروں، وڈیروں اور صنعتکاروں کی من پسند پالیسیوں کو نافذ کرنے یا چھوٹی پارٹیوں کے مفادات کو پورا کرنے پر مجبور نہیں ہوتا، اور اس کی توجہ کا محور اسلام کا مکمل نفاذ ہوتا ہے۔ لہٰذا خلافت کا نظامِ حکومت ایک مستحکم نظام ہوتا ہے۔

جمہوری نظام صوبائی اور گروہی تعصب کو ہوا دیتا ہے:

جمہوریت میں حکمران کو اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے ایک مخصوص مدت کے بعد دوبارہ الیکشن لڑنا پڑتا ہے۔ حکمران جانتا ہے کہ اسے دوبارہ حکومت میں آنے کے لیے اکثریتی علاقے یا گروہ کی حمایت حاصل کرنا لازمی ہے چنانچہ اکثریتی علاقے کے عوام کو خوش رکھنا اس کی مجبوری بن جاتا ہے خواہ اس کے لیے اسے اقلیتی علاقوں کے حقوق کو غصب ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یوں بڑے علاقوں کے شہری زیادہ اہم اور چھوٹے صوبوں کے رہائشی بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وزیراعظم کسی چھوٹے صوبے کا ہی کیوں نہ ہو بڑے صوبے ہی اس کی توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں۔ بڑے صوبوں اور گروہوں کے حق میں امتیازی اقدامات علاقائی تعصب اور گروہی منافرت کو فروغ دیتے ہیں۔

چونکہ نظامِ خلافت میں خلیفہ کو ہر پانچ سال بعد الیکشن کے ذریعے عوامی توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی اور خلیفہ جانتا ہے کہ اگر وہ اسلام کو مکمل طور پر نافذ کر رہا ہے اور تمام ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہے تو اس کی حکمرانی کو کوئی خطرہ نہیں، لہٰذا وہ اکثریتی علاقے سے کسی قسم کے غیر منصفانہ دباؤ کے بارے میں فکرمند نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے کسی علاقے کے لیے امتیازی اقدامات اٹھانا پڑتے ہیں۔ چنانچہ ریاستِ خلافت علاقائیت، لسانیت اور صوبائی تعصب سے محفوظ رہتی ہے۔

پاکستان کا فیڈرل جمہوری نظام بذاتِ خود صوبائی عصبیت کو فروغ دیتا ہے، کیونکہ فیڈریشن کا تصور ہی عدم وحدت پر مبنی ہے۔ فیڈرل سسٹم میں کسی بھی صوبے یا علاقے کا فیڈریشن میں شامل ہونے کا فیصلہ حکمرانی، اختیارات اور مراعات سے متعلق شرائط اور سمجھوتوں پر مبنی ہوتا

ہے۔ صوبے کے لوگ اس صوبے سے حاصل ہونے والے وسائل کو امتِ مسلمہ کی ملکیت کی بجائے صوبے کی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں اور صوبائی مفادات کو امتِ مسلمہ کے اجتماعی مفادات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات اور وسائل کی تقسیم کی تگ ودو جاری رہتی ہے۔

وفاقی طرزِ حکومت میں مختلف علاقوں کو خودمختاری حاصل ہوتی ہے لیکن وہ ایک عمومی مرکزی حکومت کے ذریعے باہم جڑے ہوتے ہیں۔ جبکہ خلافت وحدت کا نظام ہے جس میں شمال میں نوشہرہ کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو جنوب میں کراچی کی ہے۔ اور اگر اسلام آباد اسلامی ریاست کا مرکز ہو تو اس کا انتظام ویسے ہی ہوگا جیسے کہ میانوالی کا۔ تمام علاقوں کی مالیات اور ان کا بجٹ بھی ایک جیسا ہوتا ہے اور اموال کو لوگوں پر یکساں انداز سے خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک ولایہ (صوبہ) سے حاصل ہونے والی آمدن اس کی ضروریات سے دوگنی ہو تو اس پر خرچ کیا جانے والا فنڈ اس کی ضروریات کے مطابق ہوگا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدن کے مطابق نہیں ہوگا۔ اور اگر ایک ولایہ کی آمدن اس کی ضروریات سے کم ہے تو مجموعی بجٹ میں سے اس ولایہ پر اس کی ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے گا، خواہ وہ ضرورت کے مطابق محصولات پیدا کرے یا وہ ایسا نہ کر سکے۔

جمہوریت میں عدل کی فراہمی اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ممکن نہیں:

چونکہ جمہوریت میں اکثریت ہی تمام فیصلے کرتی ہے اس لئے اکثریت کی بے جا اہمیت اور اقلیت کی بے وقعتی ایک لازمی امر ہے۔ اکثریت اقلیت کی خواہشات کی پرواہ کئے بغیر اپنی مرضی کی قانون سازی کرتی ہے۔ آج امریکہ میں اکثریت نے مسلمان اقلیت کے خلاف پیٹریاٹ ایکٹ (Patriot Act) کے نام پر ظالمانہ قوانین جاری کر دئے ہیں جس کے تحت کسی بھی شخص کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگا کر اسے غیر معینہ مدت کے لئے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ تمام جمہوری ممالک میں انصاف اور عدالت سے متعلق قوانین بھی اکثریت کی خوہشات کی بنا پر

بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ گوانتاناموبے میں محبوس مسلمانوں کو بغیر مقدمہ چلائے سالہا سال قید رکھنا، ''قومی سلامتی'' کو جواز بنا کر ایک ملزم کو اُس کا جرم بتائے بغیر جیل بھیج دینا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنا وکیل چننے تک کی اجازت نہ دینا امریکہ کے ''مہذب معاشرے'' میں عین انصاف ہے کیونکہ یہ سب جمہوری اصولوں کے تحت کیا گیا ہے۔ اسی طرح آج جمہوری یورپ کے اسکولوں میں حجاب پہننا جرم بن گیا ہے کیونکہ وہاں کے عوام کے اکثریتی نمائندے اسے برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

خلافت میں چونکہ قانون سازی کا اختیار انسان کے پاس نہیں لہٰذا انصاف اور عدل سے متعلق اسلام کا کوئی بھی قانون محض اکثریت کی خواہش کی بنیاد پر یا ''نظریہ ضرورت'' کے تحت تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اسلام نے کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے سے منع کیا ہے یا اسے حق فراہم کیا ہے کہ وہ اپنے خلاف الزامات کا عدالت میں اپنی مرضی کے وکیل کے ذریعے دفاع کر سکے تو خلیفہ یا مجلس اُمت سمیت کوئی بھی ادارہ اس سے یہ حق نہیں چھین سکتا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے قانون سازی کو انسان کی دسترس سے دور رکھ کر غیر مسلموں اور اقلیتوں کو امن و تحفظ فراہم کیا ہے۔ اور ماضی میں یہ خلافت ہی تھی جس کے سائے تلے یہودی اور نصرانی عرب قبیلے نسل در نسل امن و سکون سے زندگی بسر کرتے رہے۔

کرپشن اور جمہوریت لازم و ملزوم ہیں:

سیاسی کرپشن کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہر جمہوری معاشرے میں موجود ہے اور اکثر موضوع گفتگو رہتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات لوگ اس کرپشن کو محض افراد کا مسئلہ سمجھ کر جمہوری نظام کو ان کرپٹ افراد سے پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کرپشن جمہوری نظام کا جزو لاینفک ہے۔ کیونکہ جمہوریت کے بنیادی اصول ہی درحقیقت کرپشن کو جنم دیتے ہیں۔ چونکہ جمہوریت میں قانون سازی انسان کے پاس ہے لہٰذا ہر کرپٹ شخص جانتا ہے کہ وہ اس منصب پر فائز ہو کر ایسے قوانین بنا سکتا ہے جس سے اس کی کرپشن ماورائے قانون بن

جائے۔ لہٰذا وہ کروڑوں روپے لگا کر عوامی نمائندہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں معاشرے کے کرپٹ ترین لوگ چھن کر اسمبلی میں کھنچے چلے آتے ہیں اور عوام کے امور کی دیکھ بھال کی بجائے ان کرپٹ عناصر کے امور کی دیکھ بھال ہی اسمبلی کا اولین مقصد بن جاتا ہے۔ مزید برآں ممبران اسمبلی کو حاصل، عدم اعتماد کے ووٹ کا حق بھی سیاسی کرپشن کا موجب بنتا ہے اور حکمران ممبران کو خوش رکھنے کے لئے ترقیاتی بجٹ اور وزارتوں کی لوٹ سیل لگا دیتے ہیں۔ مشرف دور میں جاری کردہ قومی مفاہمتی آرڈیننس کے مطابق اب پارلیمنٹ کے اراکین کو کسی بھی جرم میں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی جب تک ایک پارلیمانی کمیٹی اس کی اجازت نہ دے دے۔ ایسی صورت میں کرپٹ اور جرائم پیشہ لوگ اسمبلی کی طرف اس طرح دوڑیں گے جس طرح شہد کی طرف مکھیاں امڈ آتی ہیں۔

لیکن خلافت میں چونکہ مجلسِ اُمت ایک قانون ساز ادارہ نہیں اس لئے اس کی رکنیت حاصل کر کے ایک شخص اپنے سیاہ کو سفید نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح عوام کے نمائندے خلیفہ کو محض اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق معزول کرنے کے مجاز نہیں ہوتے۔ لہٰذا خلیفہ کو انہیں خوش رکھنے کے لئے کسی قسم کی سیاسی رشوت دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ کرپٹ عناصر کو مجلسِ امت کے الیکشن لڑنے اور عوامی نمائندہ بننے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور انہیں کروڑوں روپے لگا کے مجلسِ امت کی ممبری حاصل کرنا بے سود نظر آتا ہے۔ یوں جمہوریت کے برخلاف k سیاسی کرپشن کو جنم دینے یا فروغ دینے کا باعث نہیں بنتی۔

جمہوری نظام استعمار کی مداخلت کو ممکن بناتا ہے:

پاکستان کے حکومتی نظام کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک استعماری نظام ہے جسے برطانیہ ہمارے درمیان چھوڑ گیا اور اس نظام کے ذریعے وہ پاکستان کے معاملات کو کنٹرول کرتا ہے۔ جمہوریت اس استعمار کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے چور دروازہ فراہم کرتی ہے۔ چونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار انسان کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا استعمار کے لیے جمہوری نظام کو استعمال کرنا ممکن ہوتا ہے۔ آمرانہ نظام میں استعماری طاقتوں کو اپنی مرضی کے قوانین اور

پالیسیاں بنانے کے لیے فردِ واحد کو خریدنا پڑتا ہے جبکہ جمہوریت میں انہیں ایک اکثریتی گروہ کو خریدنا ہوتا ہے۔ استعماری طاقتیں اگر ایک آمر کو استعمال کر سکتی ہیں تو اس کے پاس اتنے وسائل بھی ہیں جس سے وہ چند سو اسمبلی ممبران کو اپنے لئے خرید سکیں۔ آج جمہوری اصولوں ہی کو استعمال کرتے ہوئے سترھویں ترمیم کو آئینی تحفظ دیا گیا، جس کے مطابق مشرف کے بنائے ہوئے تمام کفریہ قوانین خواہ وہ جہاد کو دہشتگری قرار دینا ہو یا امریکہ کو پاکستان کی سرزمین پر اڈے قائم کرنے کی اجازت دینا یا پھر دہشت گردی کے نام پر اسلام کے خلاف جنگ، ملکی مفاد میں جائز قرار پائے۔

اسلام فردِ واحد کی ڈکٹیٹرشپ اور مخصوص گروہ کی ڈکٹیٹرشپ (یعنی جمہوریت) دونوں کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں کوئی بھی قانون شرعی دلیل کی بنیاد پر نافذ ہوتا ہے اور خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ نافذ کیے جانے والے ہر قانون کی شرعی دلیل بیان کرے، یوں اقتدارِ اعلیٰ حقیقتاً اور عملاً شریعت کو حاصل ہوتا ہے اور استعمار کے لیے قانون سازی کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا ممکن نہیں رہتا۔

مزید برآں اسلامی ریاست میں حکومتی عہدیداروں اور سیاست دانوں کو کافر ریاستوں سے غیر سرکاری تعلقات قائم کرنے مثلاً ان کی محفلوں اور عشائیوں میں شرکت کرنے، غیر سرکاری دوروں کے دوران ان سے رابطے کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس استعماری طاقتوں کے لیے اسلامی ریاست کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور استعماری اثر و رسوخ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

جمہوریت اور آمریت انسانی غلامی کی دو مختلف اشکال ہیں:

جمہوری فلسفے میں حاکمیتِ اعلیٰ انسان کے لیے ہے نہ کہ اللہ کے لیے، یعنی جمہوریت کی رُو سے عوام الناس ان قوانین کا فیصلہ خود کریں گے جن کے مطابق وہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ عملی طور پر یہ قوانین ایک مختصر منتخب قانون ساز اسمبلی بناتی ہے، جسے قوانین بنانے کے لیے وسیع اور مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ چند لوگ عوام الناس کے لیے حلال و حرام اور جائز و ناجائز

کا تعین کرتے ہیں اور کروڑوں لوگ اُن کے بنائے ہوئے قوانین پر چلنے کے پابند ہوتے ہیں۔ یوں جمہوریت دراصل انسان کو انسان کا غلام بناتی ہے۔ آمریت اور جمہوریت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ آمریت میں عوام ایک شخص کے غلام ہوتے ہیں جبکہ جمہوریت میں خواص کے ایک گروہ کے غلام ہوتے ہیں۔

خلافت کا نظام قانون سازی کا اختیار محض اللہ کے لئے خاص کر کے انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ خلافت میں عوام کسی انسان کی پسند یا ناپسند کے تابع نہیں ہوتے بلکہ وہ خالق کے دیے ہوئے قوانین کی اتباع کر کے اس کی عملی عبودیت اور غلامی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔

جمہوریت انسانی مسائل کا درست حل پیش کرنے سے قاصر ہے:

جمہوریت میں قانون سازی کا منبع انسانی عقل ہے۔ اور انسانی عقل محدود ہونے کی بنا پر اس سے عاجز ہے کہ انسان کے تمام تعلقات اور زندگی کے مسائل کے بارے میں صحیح حل پیش کر سکے۔ آج مغرب اسقاط حمل، کلوننگ، ترس کھا کر قتل کرنے (Mercy Killing) وغیرہ جیسے معاملات میں کسی بھی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عقل اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ ان معاملات کی حقیقت اور معاشرے پر ان کے اثرات کا حقیقی اور حتمی ادراک کر سکے اور انہیں حتمی طور پر اچھا یا برا قرار دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے بیشمار مسائل میں آج بھی مغربی دنیا تقسیم ہے اور کسی بھی حتمی حل تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ مغرب نے انسان کی اس فطرتی کمزوری پر جمہوری فلسفے کے ذریعے پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ جو بھی اکثریتی رائے ہوگی اسے اپنا لیا جائیگا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ رائے درست ہو یا باطل۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ آزادیوں کی بنیاد پر اپنے مسائل حل کرنے کی تگ و دو میں انسانیت کے شرف سے ہی گر گیا ہے۔ جہاں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے جرائم زدہ معاشرہ جنم دیا ہے۔ بن باپ کے بچے گینگز اور منشیات میں آسودگی تلاش کرتے ہیں۔ جہاں نفسیاتی اور ذہنی بیماریاں عام ہیں۔

مغربی معاشرے کے مذکورہ بالا تمام قبیح ثمرات اس امر کی دلیل ہیں کہ محدود انسانی عقل جب بھی معاشرے کے پیچیدہ مسائل کو محض اکثریت کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کریگی تو انسانیت ظلم کا شکار رہے گی۔ الغرض اللہ کے قوانین سے بغاوت اور انسانی خواہشات کو محور بنانے والا یہ معاشرہ انسانیت کے لئے نشان عبرت بنا ہوا ہے۔ پاکستان کے حکمران اس ملک کو بھی اسی ڈگر پر چلانا چاہتے ہیں جہاں آج سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدترین شکل میں نافذ ہے۔ عوام فاقوں کے بعد اجتماعی خودکشیوں پر اتر آئے ہیں، جہاں دن دھاڑے ڈاکے پڑ رہے ہیں اور انصاف کے لئے لوگوں کو دس دس سال عدالتوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔

اس کے برعکس خلافت میں قانون سازی کا منبع انسانی عقل نہیں بلکہ وحی الٰہی (قرآن و سنت) ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ ہی انسان اور اس پوری کائنات کا خالق ہے اس لئے یہ فقط اللہ ہی ہے جو انسانی تعلقات اور زندگی کے تمام مسائل کو کماحقہٗ حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ خلافت ہی اللہ کے نازل کردہ احکامات کو پوری دنیا پر نافذ کرتے ہوئے محض مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم سے نجات دلائے گی۔

جمہوریت اسلام کے نفاذ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے:

آج اسلام کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ جمہوریت ہے۔ پاکستان کے عوام کی غالب اکثریت اسلام کا نفاذ چاہتی ہے، لیکن چونکہ جمہوریت کے تحت کوئی قانون اس وقت تک پاس نہیں کیا جاسکتا جب تک اسمبلیوں میں بیٹھے ''عوامی نمائندوں'' کی 51% اکثریت اسے قبول نہ کر لے، خواہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرض ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا امت کی خواہشات کے باوجود آج اسلام حکومت کے ایوانوں سے باہر ہے کیونکہ اسمبلیوں میں پیسے اور اثر رسوخ کی بدولت آنے والے ''نمائندوں'' کی اکثریت ایسا نہیں چاہتی۔ نیز چونکہ یہ نمائندے ہی درحقیقت اقتدار اعلیٰ کے حامل ہیں اور انہیں خلافِ شریعت قانون بنانے کی صورت میں کسی قسم کی سزا نہیں دی جاسکتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ کھلی جنگ کرنے سے بھی

دریغ نہیں کرتے جس کا مظاہرہ ہم حدود آرڈیننس کی تبدیلی کے دوران دیکھ چکے ہیں۔

نظام خلافت میں چونکہ اللہ کے دیے گئے قوانین ہی ریاستی قوانین ہوتے ہیں جنہیں نافذ نہ کرنے یا انہیں معطل کر دینے کا اختیار نہ تو خلیفہ کے پاس ہوتا ہے اور نہ ہی عوامی نمائندے اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ ڈال سکتے ہیں اسی لئے اسلام کا نفاذ یقینی ہوتا ہے۔ چونکہ خلافت میں اقتدار اعلیٰ اللہ کی شریعت کو حاصل ہوتا ہے، خلیفہ کو نہیں؛ اس لئے اگر وہ اسلام کے کسی ایک بھی حکم کو معطل کر کے غیر اسلامی قانون نافذ کرنا چاہے تو ایسے میں نہ صرف اس کا محاسبہ کیا جائیگا بلکہ اِس کفر پر اصرار کرنے پر اُسے ہٹانا لازمی ہو جائیگا۔

اجتماعی ذہانت (Collective Wisdom) کئی معاملات میں درست نہیں ہوتی:

کچھ لوگ اس لئے بھی جمہوریت کو دیگر نظاموں سے بہتر نظام سمجھتے ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس میں فیصلے فردِ واحد کی سوچ کی بجائے اجتماعی ذہانت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ نیز وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ معاشرے کی اجتماعی ذہانت (collective wisdom) ہمیشہ انفرادی سوچ اور ذہانت سے بہتر ہوتی ہے۔ اسی کلیے کی بنیاد پر وہ ہر حالت میں اکثریت کی پیروی کرنے کو بہتر اور اقرب الصواب سمجھتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ چند مخصوص معاملات میں اکثریت کا فیصلہ عام طور پر صحیح رائے کی طرف راہنمائی کرنے کی صلاحت رکھتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ اکثریت ہر معاملے میں درست حل پیش کر سکتی ہے ایک فاش غلطی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کے وجود کے بارے میں فیصلہ ہر شخص نے انفرادی طور پر دلائل کو پرکھنے کے بعد از خود کرنا ہے۔ ایک شخص محض اس بنیاد پر ایک مذہب اختیار نہیں کر سکتا کہ دنیا کی غالب اکثریت اس مذہب کو درست سمجھتی ہے۔ اگر اکثریت کے ہمیشہ درست ہونے کے نظریے کو قبول کر لیا جائے تو پھر مسلمانوں کو لامحالہ اپنا درست دین چھوڑ کر غیر مسلم ہونا پڑیگا کیونکہ آج دنیا کی اکثریت مسلمان نہیں ہے۔ یہی معاملہ دیگر امور کا ہے مثلاً اگر آج عورتوں کی اکثریت حجاب لینے کی روادار نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ با حجاب عورتیں بھی اس لئے بے پردہ ہو جائیں کیونکہ اجتماعی ذہانت اور سوچ

(collective wisdom) کے اصول کے تحت یہ سوچ یقیناً درست ہوگی۔ اگر آج دنیا کی اکثریت سودی لین دین میں کسی قسم کا کوئی عار محسوس نہیں کرتی تو لہٰذا مسلمانوں کو بھی معاشی طور پر ''کامیاب'' ہونے کے لئے اس کفریہ نظریے اور سوچ کو اس لئے قبول کر لینا چاہئے کیونکہ پوری انسانیت کی اجتماعی سوچ (Collective Wisdom) اس کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ عقائد اور اس سے پھوٹنے والے نظاموں اور زندگی گزارنے سے متعلق مخصوص نقطہ نظر کو محض اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر قبول یا مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان تمام معاملات اور نظریات کو محض درست ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر قبول یا مسترد کیا جانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاملات پر خلافت میں کسی بھی قسم کی رائے شماری یا بحث وتمحیص کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام معاملات کے بارے میں قرآن وسنت میں احکامات صادر فرما دیے ہیں۔ خلیفہ انہیں محض نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ جمہوریت میں یہ تمام معاملات بھی اکثریت کی مہر تثبیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اکثریت کی نظرِ عنایت کے بغیر ان شرعی احکامات کو کوئی طاقت ملکی قانون نہیں بنا سکتی۔

اسی طرح ایک اور قسم کے معاملات جن کا تعلق سائنس، ٹیکنالوجی اور تکنیکی معاملات سے ہے، ان میں بھی collective wisdom کے اصول کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سائنسدانوں کی اکثریت کسی غلط سائنسی نظریے پر متفق ہو تو کیا ایک سائنس دان اپنے نئے نظریے کو محض اس لئے بالائے طاق رکھ دے کیونکہ اکثریت اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں؟ یقیناً کوئی بھی ذی شعور اس اصول کو تسلیم نہیں کریگا۔ آج پاکستان توانائی کے بحران سے گزر رہا ہے۔ ایسے میں اس بحران کے حل کے لئے شمسی توانائی استعمال کی جائے یا ڈیم بنائے جائیں، ایٹمی ری ایکٹر کے ذریعے بجلی پیدا کی جائے یا ہوا کی طاقت کو بروئے کار لایا جائے وغیرہ، یہ تمام امور فنی اور تکنیکی نوعیت کے ہیں۔ لہٰذا سب جانتے ہیں کہ ان معاملات میں عوام الناس کی اکثریت یا ان کے ''گریجویٹ'' نمائندوں کی اکثریت صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مددگار ثابت نہیں ہوسکتی۔ البتہ ان فنی اور تکنیکی امور کے ماہرین ہی اس بارے میں درست ترین اور صائب رائے دے سکتے ہیں جو کہ بہرحال معاشرے کی

k میں ان تمام معاملات پر مجلس اکثریت نہیں [illegible] چنانچہ عوامی نمائندے اپنی رائے تو دے سکتے ہیں لیکن ان کی رائے پر عمل کرنا خلیفہ پر لازم نہیں ہوتا۔ ان معاملات میں خلیفہ تکنیکی امور کے ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد سب سے بہتر رائے کو اختیار کرتا ہے اور اسے نافذ کرتا ہے۔ دوسری طرف جمہوریت میں ان معاملات میں بھی پارلیمنٹ کی اکثریت کو فیصلے کا حق ہے جس کی بنا پر کئی معاملات سیاسی دھینگا مشتی کا شکار ہو کر عوام الناس کی مفلوک الحالی اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بن جاتے ہیں۔

جمہوریت کی حقیقت

جمہوریت اسلام سے کئی ہزار سال پرانا نظام ہے:

جمہوریت کوئی جدید فلسفہ یا انسانی ارتقاء کی معراج نہیں بلکہ یہ تو فرسودہ یونانی تہذیب کی باقیات میں سے ہے جس کی لاش میں ہزاروں سال بعد یورپ کے فلسفیوں نے دوبارہ جان ڈالی۔ جمہوریت کی طرف دعوت دینے والے کئی لوگ خود بھی اس حقیقت کا صحیح ادراک نہیں رکھتے۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ اگر خلافت جمہوریت ہی ہے اور جمہوریت اسلام سے ہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا تصور جو کہ اسلام سے ہزاروں سال پرانا تھا کسی آیت، حدیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں جگہ نہ پا سکا۔ جبکہ دوسری طرف اسلام کے عقیدۂ وحدانیت کے بارے میں بار بار ہمیں قرآنی نصوص اور احادیثِ مبارکہ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہ سلام اسی عقیدے کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن اس قسم کی کوئی حدیث آپ ﷺ سے مروی نہیں ہے جو اس بات کا اعتراف کرتی ہو کہ اسلامی نظامِ حکومت درحقیقت جمہوریت ہی کی ایک شکل ہے۔ یا آپ ﷺ نے کہیں اس بات کا اعتراف کیا ہو کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں درحقیقت ارسطو کے فلسفے کی تشریح وتوثیق ہی ہے؟ (نعوذ باللہ) چنانچہ ہم جمہوریت کے داعیوں سے التماس کرتے ہیں کہ وہ خدارا مسلمانوں کو دورِ جاہلیت کی طرف واپس

نہ گھسیٹیں جس کی پروردہ تہذیبیں نہ صرف دنیا میں تباہ و برباد ہوئیں بلکہ آخرت میں بھی عذاب الٰہی کی مستحق ٹھہریں گی۔

جمہوریت کی اساس الیکشن، محاسبہ یا شوریٰ نہیں بلکہ قانون سازی کا اختیار انسان کو تفویض کرنا ہے:

جمہوریت ایک متعین اصطلاح (term) ہے جس کی مخصوص تعریف ہے اور یہ ہر عام و خاص کے دائرہ اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اس اصطلاح کی اپنی مرضی و منشا کے مطابق نئی تعریف (redefine) کر دے۔ جمہوریت ایک مغربی اصطلاح ہے جس کا مادہ یونانی زبان سے نکلتا ہے۔ جس کا مطلب ہے (rule by the people) یعنی عوام کی حکمرانی۔ عوام کی حکمرانی کو مغرب نے مزید جامع الفاظ میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

'Rule of the people, for the people and by (the legislation of) the people'

''عوام کی حکمرانی، عوام کے لئے، عوام کی قانون سازی کے ذریعے''

یعنی عوام ہی حاکمیتِ اعلیٰ کے حامل ہیں، عوام ہی اختیارات کا سرچشمہ ہیں، وہ اپنے ارادے کے خود مالک ہیں، وہ کسی بھی اور ذات کے سامنے جواب دہ نہیں، اقتدارِ اعلیٰ کا حامل ہونے کی وجہ سے عوام ہی اپنے نمائندوں کے ذریعے نظام اور قوانین بنوائیں گے اور عوام کے ہر فرد کو حکمران مقرر کرنے، قوانین اور نظام وضع کرنے کا مساوی حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس نظام حکومت کو محض عوام الناس کی طرف سے حکمرانوں کا محاسبہ کرنے یا ان کو مشورہ دینے سے تعبیر کرنا نہ صرف over simplification ہے بلکہ یہ جمہوریت کی غلط تعبیر بھی ہے۔ اسی طرح جمہوریت کو محض الیکشن کے مماثل قرار دینا بھی ایک فاش غلطی ہے۔

کسی بھی ملک میں عوام کو محاسبے کا اختیار دے دیا جائے تو صرف اس کے نتیجے میں وہ

نظام جمہوری نہیں بن جاتا۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص عوام کو مشورہ دینے اور انہیں زبانی محاسبہ کرنے کی اجازت تو دے لیکن وہ عوام کی اکثریت کی خواہشات کو بلڈوز کرتے ہوئے محض اپنی ذاتی رائے کے مطابق قانون سازی کرے تو کوئی بھی اس نظام کو محض اس لئے جمہوری نہیں کہے گا کہ اس میں عوام کو مشورہ دینے اور حکمران کا محاسبہ کرنے کی اجازت تھی۔ اس کی ایک واضح مثال جناب مشرف کی ہے جو اپنے پہلے تین سالہ دور میں مختلف مکاتبِ فکر سے مشورہ کرتے نظر آتے تھے۔ نیز انہوں نے بظاہر میڈیا کو کسی قدر محاسبہ کی اجازت بھی دے رکھی تھی لیکن ہر ملکی فیصلے پر آخری سٹیمپ پرویز مشرف ہی لگاتے تھے۔ اور ان کے اس تین سالہ دور کو کبھی بھی جمہوری دور نہیں کہا گیا۔ اسی طرح اگر ایک ریاست میں عوام اپنی مرضی سے ایک شخص کو اپنا حاکم چنیں لیکن حکومت میں آنے کے بعد وہ عوام کی اکثریت کی پرواہ کئے بغیر اپنی مرضی یا کسی بھی متعین فلسفے یا عقیدے کی بنیاد پر حکومت کرے تو ایسی حکومت کو کبھی بھی ایک جمہوری حکومت نہیں گردانا جاتا۔ چنانچہ جمہوریت کی اساس اور بنیاد، قانون سازی کا اختیار عوام کے نمائندوں کے پاس ہونا ہے (rule by the legislation of the people) نہ کہ الیکشن، محاسبہ یا شوریٰ۔ یعنی جمہوریت میں عوام ہی حاکمیت اعلیٰ کے حامل ہوتے ہیں اور ان کی اکثریت کا فیصلہ مقدس ہوتا ہے، یہی جمہوریت کی بنیاد ہے۔ آج اسی بنیاد کی وجہ سے مغرب ''بل هم اضل'' کی عملی تفسیر اور زندہ تصویر بنا ہوا ہے۔ ہم جنس پرستی ہو یا جسم فروشی، شراب نوشی ہو یا قمار بازی یہ سب کچھ مغرب میں محض اس لئے جائز ہے کیونکہ جمہوری نظام کے تحت عوامی نمائندوں نے ان تمام اعمال کو حلال کر رکھا ہے۔ اسی طرح پورنوگرافی (pornography)، بن باپ کے بچے، جنسی بے راہ روی، دیگر معاشرتی برائیاں، دولت کا ارتکاز یہ تمام اسی جمہوری نظام کے ثمرات ہیں جہاں انسان کسی بھی قسم کے قوانین بنانے میں آزاد ہے۔ یہ جمہوری نظام ایسے معاشرے کو جنم دیتا ہے جہاں انسان ہی خدا ہے اور انسان ہی غلام، انسان ہی شارع ہے اور انسان ہی محکوم۔ جب اچھے اور برے کا میزان اور مقیاس محض اسمبلی میں بیٹھے ہوئے نمائندوں کی اکثریت ہو تو پھر کوئی بھی قانون بنایا یا بدلا جاسکتا ہے۔ اس نظام میں چاہیں تو صدارتی انتخابات میں 63-62 کی شق حذف کر دیں یا جب

چاہیں سترھویں ترمیم کے ذریعے امریکہ کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے کو قانونی تحفظ دے دیں۔ بے شک جمہوریت انسانی خواہش وھویٰ کی تسکین کا نظام ہے۔ اس نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی بجائے انسان کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ نظام ایک کفریہ نظام ہے۔

بقولِ شاعر

سمجھا ہے مسلماں اسے بس نامِ الیکشن
ہوتی ہے جہاں عقل شریعت پہ رائے زن
جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے بے گماں
قانون بناتا ہے جہاں حضرت انساں
کرتا ہے زنا سود اور جوئے کو جو حلال
کہتے ہیں جہاں میں اسے جمہورِ ''باکمال''

اسلامی جمہوریت بھی دراصل مغربی جمہوریت کی ہی ایک شکل ہے:

جہاں تک اسلامی جمہوریت کا تعلق ہے تو درحقیقت اس کا سرے سے کوئی وجود نہیں اور یہ مغربی جمہوریت کی ہی ایک شکل ہے۔ پاکستانی معاشرے میں یہ غلط فہمی عمومی طور پر پائی جاتی ہے کہ جمہوریت درحقیقت الیکشن کا نام ہے۔ اسی لئے اگر ایک نظام میں عوام اپنے پسندیدہ افراد کو چن کر حکومتی ایوانوں میں بھیجیں تو ایسا نظام جمہوری نظام کہلائے گا۔ اور چونکہ اسلام بھی حکمران کے چناؤ کا حکم دیتا ہے اور حکمرانی کو غصب کرنے کو حرام قرار دیتا ہے لہٰذا جمہوریت اور اسلام ایک ہی چیز ہیں۔ یہ سوچ سراسر غلطی پر مبنی ہے۔ کسی دو چیزوں کی چند صفات میں ظاہری مماثلت ان دونوں کو ایک نہیں بنا دیتی۔ جیسے شیر اور بکری میں چار ٹانگوں، ایک سر اور ایک دم کی مماثلت سے کبھی بھی کسی نے شیر کو بکری یا بکری کو شیر قرار نہیں دیا۔ بالکل اسی طرح جمہوریت اور خلافت میں اگر چند صفات بظاہر ایک جیسی دکھائی دیں تو اس بنیاد پر ان دونوں کو ایک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان دونوں نظاموں کی بنیاد، ان کے مآخذ، ان کا عقیدہ، ان کی جزئیات وتفصیلات، نیز

انسان، کائنات اور حیات کے متعلق ان کا نقطۂ نظر اور ان کے نفاذ کے نتیجے میں معاشرے میں پیدا ہونے والے ثمرات سب ایک دوسرے سے مختلف و متناقض ہیں۔

جمہوریت فقط عوام کا اپنے پسندیدہ افراد کو چن کر حکومتی ایوانوں میں بھیجنے کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک ایسا نظام ہے جس میں انسان قانون سازی کا سرچشمہ اور حاکمیت اعلیٰ کا حامل ہے۔ جمہوریت میں ہر اچھا یا برا قانون اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت اس کی توثیق نہ کر دے۔ ''اسلامی جمہوریت'' میں بھی ایسا ہی ہے۔ اسلامی جمہوریت میں ایک اسلامی قانون محض اس لئے ریاستی قانون نہیں بنتا کہ اس کا حکم اللہ اور اس کا رسول ﷺ دے رہے ہیں بلکہ فقط اس لئے کہ عوام کے نمائندوں کی اکثریت اس کی توثیق کر رہی ہے۔ اسلامی جمہوریت میں اللہ کی طرف سے قانون عطا کیے جانے کے بعد بھی انسان کو یہ اختیار حاصل رہتا ہے کہ وہ اس پر رائے شماری کرائے اور پھر اکثریت کہے تو یہ فیصلہ قبول کر لے اور اگر اکثریت رد کر دے تو پھر اللہ کا یہ فیصلہ مسترد سمجھا جائے۔ جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں'' (الاحزاب:36)۔ چنانچہ اگر پارلیمنٹ کے تمام افراد متقی بھی ہوں اور ان کے سامنے اللہ کے واضح احکامات مثلاً سود کی حرمت، شراب کی حرمت، زنا کی حرمت وغیرہ جیسے قوانین ''رائے شماری'' کے لئے پیش کئے جائیں اور پھر یہ پارلیمنٹ سو فیصدی اکثریت کے ساتھ اس ''قانونی بل'' کی توثیق کر دے تب بھی قوانین بنانے کا یہ عمل بذاتِ خود حرام ہوگا۔ کیونکہ مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات پر کسی بھی انسان کو رائے شماری کروا کر ''ہاں'' کہنے کی اجازت ہے نہ ہی ''ناں'' کہنے کا استحقاق۔ قطع نظر یہ کہ ''اسلامی جمہوریت'' میں اچھے قوانین بنیں یا برے، چونکہ قوانین سازی کا یہ طریقہ کار ہی اسلام سے متصادم ہے اس لئے جمہوری طرزِ حکومت کو اسلام کے نفاذ کے لئے اختیار کرنا حرام ہے۔

''پابندِ اسلام جمہوریت'' (اسلامی جمہوریت) میں بھی ایک اسلامی قانون محض اس

لئے ملکی قانون نہیں بنتا کہ اس کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ دے رہے ہیں بلکہ فقط اس لئے کہ عوام کے نمائندوں کی اکثریت اس کی توثیق کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سود کی حرمت جیسا واضح شرعی حکم آج اس لئے ملکی قانون کا درجہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کی توثیق میں پارلیمنٹ کی اکثریت نے ووٹ نہیں ڈالا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک کمپنی کا سربراہ جب تک اپنے ماتحت افسران کی سفارشات پر دستخط نہ کر دے وہ محض سفارشات ہی رہتی ہیں قابلِ نفاذ پالیسیاں نہیں بنتیں۔ افسوس اسلامی جمہوریت میں بالادست پارلیمنٹ اور اللہ کا باہمی رشتہ یہی ہے۔ اللہ کے قوانین (نعوذ باللہ) محض اچھی سفارشات ہیں اور چونکہ ابھی تک پارلیمنٹ میں بیٹھے اکثریتی ''خداؤں'' نے ان سفارشات پر دستخط کرنے کا فیصلہ نہیں کیا، لہٰذا یہ ملکی قانون کا درجہ نہیں رکھتے۔ جمہوری نظام کو اسلامی کہنے والے بتائیں کہ کیا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں سود کی حرمت کو لاگو کرنے کے لئے اہلِ حل وعقد یا اہل شوریٰ کے نمائندوں کی اکثریت کے دستخطوں کی ضرورت ہوتی تھی؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اللہ کے قوانین کے بجائے عوام کفر کے تحت زندگی بسر کرتے رہتے تھے جب تک کہ کوئی ذات یا ادارہ ان اللہ کے قوانین پر مہر تثبیت ثبت نہ کر دے؟ پس اللہ کے قوانین کو ملکی قوانین بنانے کے لئے آخر کیوں ہم 51 فیصد اکثریت کی شرط قبول کریں؟

مزید برآں اسلامی جمہوریت میں چونکہ اقتدارِ اعلیٰ انسان کے پاس ہوتا ہے لہٰذا اگر پارلیمنٹ اسلام کے خلاف قانون سازی کرے یا کسی مسئلے پر اسلام کے قانون کو منظور نہ کرے تو پارلیمنٹ کے اراکین کی نہ تو سرزنش ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں سزا دے سکتی ہے، کیونکہ وہ بذاتِ خود اقتدارِ اعلیٰ کے مالک ہیں اور قانون بنانا یا نہ بنانا ان کا استحقاق ہے۔ جبکہ اسلام میں اگر خلیفہ کفر قوانین نافذ کرے تو اسے ہٹانا فرض ہو جاتا ہے کیونکہ خلیفہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک نہیں اور نہ ہی قانون سازی اس کا استحقاق ہے۔

علاوہ ازیں چونکہ اسمبلی کسی بھی قانون کو منظور کرنے یا مسترد کرنے میں آزاد ہے، لہٰذا کوئی بھی آئندہ آنے والی اسمبلی نافذ کردہ اسلامی قانون کو اکثریت کی بنیاد پر منسوخ کرنے کا اختیار بھی رکھتی ہے، جیسا کہ ہم نے حدود آرڈیننس کے ترمیمی بل میں ملاحظہ کیا۔ یوں اس نظام

میں اسلام کے نفاذ کو کسی بھی وقت جمہوری طریقہ کار سے معطل کیا جاسکتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔ اس کے برعکس خلافت میں اللہ کا حکم نافذ کرنے کے لئے خلیفہ کو اکثریت کی توثیق کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین نے کبھی بھی اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے صحابہ ﷺ کی رائے شماری نہیں کروائی گو کہ اللہ کے حکم کو سمجھنے کے لئے ان سے مشورہ ضرور لیا اور پھر جب اللہ کے حکم کا فہم حاصل ہو گیا تو فقط اسے نافذ فرمایا جیسا کہ سیدنا عمر ﷺ کے دورِ خلافت میں عراق کی زمین کی تقسیم کا معاملہ تھا۔

وہ لوگ جو اسلامی جمہوریت کی بات کرتے ہیں درحقیقت انہوں نے اسلام کے نظاموں کو سمجھنے میں خطا کی ہے۔ اسلام نے صرف حکمرانی کے اصول ہی بیان نہیں کیے بلکہ ریاست کے تمام تر ڈھانچے، نظامِ حکمرانی کی شکل و ہیئت، خلیفہ کی تقرری و معزولی، خلیفہ کے اختیارات، خلیفہ کے محاسبے، قوانین کو نافذ کرنے کا طریقہ کار، غرض یہ کہ نظامِ حکمرانی کی تمام تر تفصیلات کا تعین بھی کر دیا ہے اور ان قوانین کو بعینہٖ نافذ کرنا لازم ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسلام کو ایک کامل دین بنایا ہے لہٰذا مسلمانوں کو مغرب کے بوسیدہ اور ناقص نظاموں، جن کی بنیاد کرپٹ افکار پر ہے، کو کچھ تبدیلیوں اور ردوبدل کے ساتھ اختیار کرنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ کسی بھی نظام سے قبل ''اسلامی'' کا سابقہ لگا دینے سے وہ نظام اسلامی نہیں بن جاتا۔ اسلام کے نظاموں کو صرف شرعی مآخذ یعنی قرآن، سنت، اجماع صحابہ ﷺ اور قیاس سے ہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اور قرآن، سنت اور اجماع صحابہ ﷺ سے یہ بات واضح طور پر ظاہر ہے کہ اسلام کا نظامِ حکومت صرف اور صرف خلافت ہے۔

اسلام کے نظامِ حکومت کے لئے ''اسلامی جمہوریت'' کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاسکتی:

یہ امر واضح رہے کہ ''جمہوریت'' خالصتاً مغربی اصطلاح ہے اور اسے استعمال کرتے ہوئے ہمیں خصوصی احتیاط برتنی چاہئے۔ اس اصطلاح کو اسلام کے نظامِ حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح بعض مسلمان راہنما اپنے بیانات میں دہشت

گردی کا لفظ استعمال کر کے اس کی مذمت کرتے ہیں خواہ وہ بعد میں یہ بھی فرماتے رہیں کہ ہماری تعریف کے مطابق کشمیر اور فلسطین میں ہونے والا جہاد دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتا۔ لیکن چونکہ عالمی سطح پر استعمار نے دہشت گردی کی ایک مخصوص تعریف متعین کر دی ہے، لہٰذا اس مسلمان راہنما کا بیان بھی مغرب ہی کو سیاسی طور پر مدد فراہم کریگا۔ اور اس اصطلاح کا استعمال دانستہ یا نادانستہ طور پر مغربی ایجنڈے کی تکمیل کریگا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اصطلاحات کا سیاسی میدان میں کردار کس قدر اہم ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا...﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رَاعِنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنْظُرْنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو.....'' (البقرۃ: 104)۔ چونکہ ''رَاعِنا'' کے دو معانی تھے اور کفار اسے تحقیر کے معنوں میں استعمال کر رہے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس لفظ سے آپ ﷺ کو مخاطب نہ کریں حالانکہ اس ''اصطلاح'' سے مسلمانوں کی مراد وہ منفی معنی نہ تھے۔ دہشت گردی کی طرح جمہوریت کی اصطلاح کا بھی یہی معاملہ ہے کیونکہ اس اصطلاح کا ایک خاص مفہوم اور معنی ہے جو سینکڑوں سالوں سے مغرب کے ہاں مستعمل ہے۔ چنانچہ اس مغربی اصطلاح کے ساتھ اسلامی کا سابقہ یا لاحقہ لگا کر اسے حلال نہیں بنایا جا سکتا۔

1973 کا آئین اور اس سے پھوٹنے والا نظام کفریہ اور سیکولر ہے

پاکستان کا موجودہ آئین اس جابرانہ برطانوی قانون سے چنداں مختلف نہیں جو کہ تقسیمِ ہند سے قبل نافذ تھا۔ بلاشبہ یہ برطانوی پارلیمنٹ ہی تھی جس نے اپنے 1947 کے انڈین انڈی پینڈنس ایکٹ کے تحت پاکستان کے لیے ابتدائی قوانین تیار کیے تھے۔ پاکستان نے 1956ء تک اپنا پہلا دستور تیار نہیں کیا تھا۔ یہ دستور اور اس کے بعد کے تمام آئین، جن میں 1973 کا آئین بھی شامل ہے، برطانیہ کے سیکولر قانون کے ڈھانچے پر ہی استوار کیے گئے۔ پاکستان کے آئین کا سیکولر ہونا ہر آنے والی حکومت اور منتخب نمائندگان کے لیے باعثِ شرم رہا ہے کیونکہ پاکستان کے لوگوں کو ہمیشہ یہ باور کرایا گیا ہے کہ پاکستان اسلام کی خاطر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے استعماری نظام کو لوگوں کے لیے قابلِ قبول بنانے اور عوام کو اس نظام میں شامل کرنے کے لئے پاکستان کے حکمرانوں نے آئین میں کچھ ظاہری تبدیلیاں کیں تاکہ اس آئین کے سیکولر ہونے پر پردہ ڈالا جا سکے اور مخلص مگر سادہ لوح لوگوں کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ اب یہ سیکولر آئین اسلامی آئین میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے آئین کی شق 227 کو بنیاد بنا کر واویلا مچایا گیا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''ان (اسلامی) قوانین سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جائیگا''

"No Law shall be enacted which is repugnant to such injunctions [i.e. Islamic injunctions]"

آج یہی شق افغانستان کے آئین میں آرٹیکل 3 اور عراق کے آئین میں آرٹیکل (A)2 کی صورت میں موجود ہے جسے خود امریکہ نے شامل کیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس قسم کی شق اسلام کے نفاذ کو یقینی نہیں بناتی اور نہ ہی اس شق کو شامل کرنے سے ایک آئین مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔

''اسلام کے مقدس مذہب کے خلاف کوئی قانون نہیں ہوسکتا''

"no law can be contrary to the sacred religion of Islam"

(Constitution of Afghanistan Article 3)

''کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسلام کے اصولوں کے منافی ہو''

"No law may be enacted that contradicts the established provisions of Islam"

(Constitution of Iraq Article 2(A))

اس شق کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شق بذاتِ خود دینِ اسلام کے مکمل دین ہونے کے تصور سے متصادم ہے۔ اسلامی شریعت میں ماضی کے تمام واقعات، موجودہ دور کے تمام مسائل اور آئندہ کی تمام مشکلات کے بارے میں احکامات موجود ہیں۔ پس ماضی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں، دورِ حاضر کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں اور مستقبل میں کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہوگا، جس کے متعلق شریعت میں قانون موجود نہ ہو۔ اور اسلام کو دیگر عقائد، نظریات، قوانین اور نظاموں کی پیوندکاری کی ضرورت نہیں۔ اسلام عقائد اور نظام ہائے حیات پر مبنی ایک مکمل نظریہ ہے جو اپنے پیروکاروں کو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنے اور باقی تمام عقائد، نظاموں اور قوانین کو رد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ

فِی الْاٰ خِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِینَ﴾ ''اور جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا'' (اٰلِ عمرٰن: 85)۔ لہٰذا کسی اور نظام یا نظریے سے قوانین اخذ کر کے انہیں اسلامی نظام میں شامل کرنا حرام ہے۔ (یہ امر اُن سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی سے مختلف ہے جن کا تعلق کسی خاص نظریے سے نہ ہو جنہیں اختیار کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی عالمی چیز ہے اور یہ محض اشیاء کی ماہیت کی سمجھ ہے)۔ چنانچہ اسلامی ریاست یعنی خلافت کے آئین میں صحیح شق یہ ہوگی:

''شرعی مصادر یعنی قرآن، سنت، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیاس کے علاوہ کسی بھی مآخذ سے قانون اخذ نہیں کیا جائیگا''

"Legislation cannot be taken from any source other than the Qur'an,Sunnah, Ijma-e-Sahaba and Qiyas"

اور یہ شق حکمرانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر قانون کو نافذ کرنے سے قبل اس کے لیے قرآن وسنت سے دلیل پیش کریں، جس کی بدولت صرف اسلام کا نظام ہی نافذ ہوتا ہے۔

جبکہ 1973 کے آئین کی مندرجہ بالا شق میں درپردہ اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ قرآن وسنت کے علاوہ کسی بھی ماخذ سے قوانین اخذ کئے جا سکتے ہیں اور اس قانون کے اخذ کرنے کے بعد اس کا جائزہ لیا جائیگا کہ آیا قرآن وسنت میں اس کے خلاف کوئی نہی وارد ہوئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس شق نے حکمرانوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام یا اشتراکی نظام یا محض اپنی عقل سے قوانین کو اخذ کریں، جبکہ اسلام سے ان قوانین کے تضاد کو ثابت کرنا عوام کی ذمہ داری ٹھہرا۔ اس کی مثال ہم نے حدود آرڈیننس کے ترمیمی بل، تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ، کی صورت میں دیکھی جہاں علماء کی ایک کثیر تعداد کے اسے خلافِ شریعت قرار دینے کے باوجود حکومت نے اس بل کو اکثریتی ووٹ کے ذریعے پاس کروالیا۔ اور بجائے یہ کہ حکومت خود اس بل کی ایک ایک شِق کی شرعی دلیل قرآن وسنت سے پیش کرتی اس نے یہ ذمہ داری الٹا مخالفین پر ڈال دی کہ وہ عدالت میں جا کر اس بل کے غیر اسلامی ہونے کو ثابت کریں۔

1973 کے آئین کی مندرجہ بالا شق اس غلط سوچ کی عکاسی بھی کرتی ہے کہ جس کے تحت یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے اسلام نے صریحاً منع نہ کیا ہو، وہ جائز ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی نظام یا عقیدے سے اخذ کردہ ہو۔ تاہم اسلام محض ممنوعہ اعمال بیان کرنے کا مجموعہ نہیں کہ وہ دنیا میں ہونے والے ہر باطل عمل کی ایک ایک کر کے ممانعت بیان کرتا پھرے۔ چنانچہ دنیا میں ایسے بے شمار قوانین اور اعمال موجود ہیں جنہیں اسلام فرداً فرداً رد نہیں کرتا مگر وہ تمام بہرحال غیر اسلامی ہیں۔ مثلاً کسی بھی آیت یا حدیث میں آگ کے گرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنے کی ممانعت صریحاً وارد نہیں ہوئی۔ لیکن اس فعل کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ نصوص میں اس عمل کو شرعاً جائز قرار دینے سے متعلق کوئی آیت یا حدیث وارد نہیں ہوئی۔ چنانچہ اسلام میں کوئی بھی عمل صرف اس وقت حلال اور جائز تصور کیا جاتا ہے اگر شریعت نے اس عمل کے کرنے کی مسلمان کو اجازت مرحمت فرمائی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے: ((ومن أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رَدٌّ)) ''جو کوئی ہمارے حکم (دین) میں کوئی ایسا حکم (قانون) داخل کرتا ہے جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (قانون) مردود ہے'' (مسلم)۔ اور فرمایا: ((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رَدٌّ)) ''جو کوئی بھی ایک ایسا عمل کرے جس کے (کرنے سے متعلق) ہمارا حکم نہ ہو، تو وہ (عمل) مردود ہے'' (مسلم)۔ نیز فرمایا: ((كل عمل ليس عليه امرنا فهو ردٌّ)) ''ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ مردود ہے۔'' یہ احادیث ہمیں سختی سے ان تمام اعمال اور قوانین سے دور رہنے کی ہدایت کرتی ہیں جو قرآن وسنت میں وارد نہیں ہوئے۔ نیز یہ کہ کسی عمل کے بارے میں ''نہی'' کی عدم موجودگی خود بخود کسی فعل کو مباح (جائز) نہیں بنا دیتی۔

اسی طرح قراردادِ مقاصد کی آئین میں شمولیت نے بھی اس آئین کی سیکولر بناوٹ کو ہر گز تبدیل نہیں کیا ہے کیونکہ دراصل قراردادِ مقاصد بذاتِ خود سیکولر ہے۔ قراردادِ مقاصد کا آغاز اس اعلان کے ساتھ ہوتا ہے کہ ''پوری کائنات کا اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' لیکن پھر مزید آگے اس اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ کے لیے وہ خالصتاً سیکولر طریقہ کار اختیار کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس حاکمیتِ اعلیٰ کو ''مجلسِ قانون ساز'' کے سپرد کر دیتی ہے اور ''مجلسِ قانون ساز'' کو یہ اختیار

دے دیتی ہے کہ وہ آئین سازی کے دوران قرآن وسنت کی طرف رجوع کیے بغیر اپنا من پسند قانون بنا سکتی ہے۔ نتیجتاً قرار دادِ مقاصد نے پاکستان کے عوام پر حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ سے چھین کر عملی طور پر مجلسِ قانون ساز کے سپرد کردی ہے۔ نیز آئین کے 280 آرٹیکلز (Articles) میں سے کسی بھی آرٹیکل کو اخذ کرنے کے لیے قرآن وسنت کو دلیل نہیں بنایا گیا۔ بلکہ یہ 280 آرٹیکل قرآن وسنت سے قطع نظر محض انسانی سوچ اور فہم کا نتیجہ ہیں۔ اور انہیں اس بنیاد پر اختیار نہیں کیا گیا کہ یہ آرٹیکلز قرآن وسنت سے اخذ کردہ احکامات ہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ اسمبلی کی دوتہائی اکثریت نے انہیں دستور کے طور پر قبول کرلیا ہے اور اس دستور کی توثیق کردی ہے۔ نتیجتاً 1973 کے آئین میں قانون کا ماخذ انسان ہے نہ کہ قرآن وسنت اور اسے اسلامی کہنا اسلام کے احکامات کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔

دستور کے تمام تر قوانین کا مطالعہ کیے بغیر محض اس کے عملی نفاذ سے حاصل ہونے والے ثمرات سے ہی امت یہ بات محسوس کرتی ہے کہ وہ غیر اسلامی دستور اور نظام کے تحت زندگی گزار رہی ہے۔ 1973 کا آئین ایک ایسے نظام کو جنم دیتا ہے جہاں اللہ کی حدود پامال کی جاسکتی ہیں، جہاں اللہ اور رسول ﷺ کا قانون عوامی توثیق کا محتاج ہوتا ہے، جہاں اقوامِ متحدہ کی قرادادیں قرآن وسنت سے بالاتر ہوتی ہیں، جہاں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے استعماری آلہ کار کی پالیسیوں کو نافذ کرنا قانونی ہوتا ہے، جہاں سود اور فحاشی حلال ہوتی ہے، جہاں انگریز کا عدالتی نظام بدستور نافذ العمل رہتا ہے، جہاں ایک ہندو ''اسلامی ریاست'' کا چیف جسٹس ہوسکتا ہے، جہاں دو عورتوں کا آپس میں بیاہ عدالت کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہوتا، جہاں امریکہ کو لاجسٹک سپورٹ کے نام پر مسلمان بھائیوں کے قتلِ عام کے لئے اسلحہ فراہم کرنا جائز ہوتا ہے، جہاں شریعت کا مطالبہ کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دے کر بارود اور فاسفورس سے بھون دیا جاتا ہے، جہاں ڈارون کی کفریہ تھیوریاں معصوم ذہنوں پر نقش کی جاتی ہیں، جہاں اسلام کا دشمن محفوظ اور مومن غیر محفوظ ہوتا ہے، جہاں ''مفاہمت'' کے نام پر لٹیرے اور قاتل حکمران بنادئے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی ایسے آئین اور اس سے پھوٹنے والے نظام کو کوئی ذی شعور شخص اسلامی قرار دے سکتا ہے؟

پاکستان کے جمہوری نظام میں شامل ہونا یا اس کفریہ نظام کو بچانے کے لئے مدد فراہم کرنا حرام ہے:

مندرجہ بالا بحث سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ پاکستان میں رائج جمہوری نظام غیر اسلامی ہے کیونکہ یہ قرآن وسنت سے اخذ کردہ نہیں بلکہ یہ اپنی بنیاد، اساس اور تفصیلات میں اسلام سے متناقض ہے۔ لہٰذا اس میں شامل ہونا، اس کی طرف بلانا اور اس کو قائم رکھنے کے لئے مدد فراہم کرنا حرام ہے۔ نظام میں حصہ لینے سے مراد اس کفریہ نظام میں حکمرانی کے عہدے اور وزارتیں قبول کر کے کفر نافذ کرنا یا قوانین بنانے کے عمل کا حصہ بننا ہے مثلاً پارلیمنٹ میں بیٹھ کر قوانین بنانے کے عمل میں رائے شماری میں حصہ لے کر اس پراسس process کو قانونی حیثیت فراہم کرنا۔ کیونکہ اسلام میں قانون ساز صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے اور عوام کا منتخب کردہ خلیفہ قرآن وسنت کے قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے اور وہ اللہ کے قانون میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ " حکم تو صرف اللہ کا ہے۔" (سورۃ یوسف: 40)۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمایا ہے ،ارشاد فرمایا: ﴿اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ﴾ "کیا یہ دورِ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، جبکہ اللہ سے بہتر فیصلہ دینے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں" (المائدہ: 50)۔ اور فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا﴾ "اے محمد ﷺ! آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ آپ ﷺ کو اپنے تمام تر اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں، پھر جب آپ ﷺ فیصلہ کریں تو یہ اپنے اندر کوئی گرانی محسوس نہ کریں، بلکہ ان فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں" (النساء: 65)۔ اور اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علاوہ کسی بھی قانون کو نافذ کرنے اور اس کے ذریعے حکمرانی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ "اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے

لوگ ہی کافر ہیں'' (المائدہ: 44)۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں'' (المائدہ:45)۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ''اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں'' (المائدہ: 47)۔

اس نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنا یا اس نظام کو برقرار رکھنے میں مدد فراہم کرنا بھی حرام ہے کیونکہ اسلام ہمیں منکر کے کاموں میں مدد اور تعاون فراہم کرنے سے منع فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے'' (المائدہ: 2)۔ اور کفریہ نظام کو نافذ کرنے یا اسے برقرار رکھنے میں مدد فراہم کرنا ایک عظیم منکر ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ پاکستان کے ریاستی اداروں مثلاً فوج یا بجلی، ٹیلی فون وغیرہ کے محکموں میں شامل ہونا حرام ہے۔ ہاں البتہ اگر حکومت انہیں غیر شرعی عمل کرنے کا حکم دے مثلاً وانا میں اپنے ہی مسلمانوں کا قتلِ عام یا اسلام کی داعیوں کے فون ٹیپ کرنا وغیرہ تو ان احکامات کو سرانجام دینا ان کے لئے حرام ہے۔ لیکن ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کرنے یا لوگوں کو عوامی سہولیات پہنچانے جیسے اعمال شرعاً جائز ہیں اور ان جائز اعمال کے لئے ان اداروں میں شمولیت اختیار کرنا نظامِ حکومت میں حصہ لینے کے زمرے میں نہیں آتا۔

جہاں تک اس جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ووٹ ڈالنا محض اپنا وکیل یا نمائندہ چننے کا ایک اسلوب ہے۔ اسلام کسی بھی حلال عمل

کے لئے اپنا ایجنٹ، نمائندہ یا وکیل چننے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکیل کسی حرام عمل کے لئے چنا جارہا ہو تو پھر اس چناؤ کا عمل بھی حرام ہی ٹھہرے گا۔ مثلاً ایک قطعہ اراضی کو بیچنے کے لئے ایک شخص اپنے دوست یا کسی بھی عاقل، بالغ مسلمان کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے اور وکالت کا یہ عقد شرعی طور پر جائز تصور کیا جائیگا۔ لیکن اگر ایک شخص اسی دوست یا معتمد شخص کو شراب بیچنے یا کسی کو دھوکہ دینے کے لئے اپنا وکیل یا نمائندہ بناتا ہے تو یہ عقد شرعی طور پر حرام قرار پائیگا کیونکہ یہ عقد ایک حرام عمل کو سرانجام دینے کے لئے کیا جارہا ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ پاکستان کے جمہوری نظام کے مطابق عوامی نمائندے قانون ساز اسمبلی میں جا کر قانون سازی کرتے ہیں، وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہیں، حدود آرڈیننس میں تبدیلی اور سترھویں ترمیم کے ذریعے امریکہ کو افغانستان میں مدد فراہم کرنے کو قانونی تحفظ دینا اس کی حالیہ مثالیں ہیں، نیز وہ حکومتی عہدے اور وزارتیں قبول کر کے کفریہ قوانین کو نافذ کرتے ہیں، یہ سب حرام اعمال ہیں۔ ایسے میں ان کو اپنا نمائندہ بنانا یا انہیں اسمبلیوں تک پہنچانے کے لئے ان کی معاونت کرنا بھی حرام عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسان کو قانون سازی کے منصب پر فائز کرنے سے سختی سے منع فرمایا، نیز آپ ﷺ نے اس امر کو بھی حرام ٹھہرایا کہ عوام انسانوں کے وضع کردہ حلال وحرام کے دائرہ کی اتباع کریں۔ جب آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِتَّخَذُوٓا أَحْبَارَ هُمْ وَ رُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلٰهًا وَاحِداً لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ''انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کی بجائے رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، جبکہ ان کو حکم ہوا تھا کہ وہ صرف ایک معبود یعنی اللہ کی بندگی کریں، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے'' (التوبة: 31) تو عدی ابن حاتم طائی نے، جو اس وقت تک عیسائی تھے، اعتراض اٹھایا کہ عیسایوں نے کبھی اپنے راہبوں اور مشائخ کی پرستش نہیں کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (انہوں نے ان کی پرستش کی)، ان راہبوں نے حلال کو حرام بنالیا اور حرام کو حلال بنالیا اور لوگوں نے ان کی اتباع کی۔ یہی ان کو معبود بنانا

ہے''۔ اس کے بعد عدی ابن حاتم طائی مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ جو اللہ کی بجائے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہا ہو درحقیقت وہ اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا استحقاق دے رہا ہوتا ہے اور وہ لوگ جو ایسے میں ان کی اتباع کرتے ہیں درحقیقت ایک گناہِ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

لہٰذا واضح ہوا کہ موجودہ نظام میں ووٹ ڈال کر حکمران چننا جو کفر سے حکومت کریں یا ایسے نمائندے چننا جو اسمبلیوں میں جا کر قانون سازی کے عمل میں حصہ لیں شرعاً حرام ہے کیونکہ ایسا کرنا کفر کے نفاذ یا قانون سازی جیسے حرام عمل میں معاونت کرنا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان کی نیت قانون سازی کے بارے میں کیا ہے۔ یعنی چاہے وہ امیدوار اسمبلی میں جا کر اسلام کے مطابق قانون سازی کا خواہاں ہو یا اس کے خلاف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں قانون سازی کرنے کا طریقہ کار ہی خلافِ شریعت ہے جس میں اللہ کے قوانین کو بھی عوامی اکثریت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور اگر اکثریت قبول کر لے تو تب ہی اللہ کے حکم کو ملکی قانون بننے کا ''شرف'' حاصل ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اللہ کے قانون پر کفر کے قانون کو ترجیح دی جاتی ہے۔

البتہ صرف ایک صورت میں موجودہ جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کی اجازت ہے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ جب ایک امیدوار علی الاعلان اس بات کا اظہار کرے کہ وہ اس جمہوری نظام کو کفر سمجھتا ہے اور وہ اسمبلی میں جا کر کسی قسم کی قانون سازی نہیں کریگا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کے انتخاب میں حصہ لے گا جو قانون سازی کرے اور نہ ہی کوئی وزارت اور حکمرانی کا کوئی بھی عہدہ قبول کرے گا۔ نیز یہ کہ اسمبلی میں جانے کا مقصد محض اس کفریہ نظام کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنا اور حکمرانوں کا محاسبہ کرنا ہے۔ اس اعلان کے بعد اب وہ مسلمانوں سے ووٹ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ نیز عوام کا ووٹ ڈال کر اسے اپنے نمائندے کے طور اسمبلی میں بھیجنا شرعاً حلال ہوگا، جو اُن کا وکیل بن کر اسمبلی میں اس کفر نظام کے خلاف آواز بلند کریگا اور حکمرانوں کا محاسبہ کریگا۔ لیکن جہاں تک عملی صورتِ حال کا تعلق ہے تو آج کوئی بھی منتخب شدہ نمائندہ اس وقت تک اسمبلی کا ممبر نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اس آئین کی پاس داری کا حلف نہ اٹھائے جو کفر پر مبنی ہے۔ لہٰذا اسلام کی رو سے اس قانون ساز اسمبلی کا

حصہ بننے کی عملاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

اسلامی ریاست کا ڈھانچہ اور اس کے چند اہم پہلو

مذکورہ بالا بحث جمہوریت کی حقیقت اور اس کے نفاذ سے پیدا ہونے والے شر سے متعلق تھی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے اسلامی ریاست کے ڈھانچے اور اسلام کے نظامِ حکومت کے کچھ اہم پہلوؤں کو بیان کر دیں تا کہ آپ اسلامی نظام کے خدوخال سے آگاہ ہو جائیں، اور ایسا نہ ہو کہ اس صورتِ حال میں جبکہ آپ اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں کہ محمدِ عربی ﷺ کا دیا ہوا نظام ہی ہمارے مسائل کا واحد حل اور دنیا و آخرت میں نجات کا ضامن ہے، استعمار اور ان کے ایجنٹ ماضی کی طرح آپ کو اسلام کے لبادے میں کفر تھما دیں، اور آپ استعمار کے دھوکے میں آ کر اپنی منزل سے دور نکل جائیں۔

اسلامی ریاست اِن تیرہ ڈھانچوں پر مشتمل ہوگی:

(1) خلیفہ
(2) معاونین (وزراءِ تفویض)
(3) وزراءِ تنفیذ
(4) والی
(5) امیرِ جہاد - شعبۂ حرب
(6) اندرونی سلامتی

(7) خارجی امور

(8) صنعت

(9) عدلیہ

(10) مفادِ عامہ کی دیکھ بھال کا انتظامی ڈھانچہ

(11) بیت المال

(12) میڈیا

(13) مجلسِ امت (شوریٰ اور محاسبہ)

خلیفہ:

خلیفہ اسلامی ریاست کا براہِ راست حکمران ہوتا ہے جو عملی طور پر حکمرانی اور لوگوں کے اُمور کی دیکھ بھال کا کام سرانجام دیتا ہے۔ خلیفہ حکومت واختیار اور احکاماتِ شریعت کے نفاذ میں امت کی نمائندگی کرتا ہے۔ امت ہی خلیفہ کا بالواسطہ یا براہِ راست چناؤ کرتی ہے۔ منتخب ہونے والا امیدوار امت کی بیعت کے ذریعے خلافت کے منصب پر فائز ہوجاتا ہے۔ اس کی دلیل صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے، چاروں خلفائے راشدین کو امت نے اپنی مرضی اور اختیار سے بیعت دی۔ گو کہ ان چاروں کے انتخاب کے اسالیب مختلف تھے لیکن امت کا اپنی مرضی اور رضا کے ساتھ ایک شخص کو بیعت دینے کی قدر ان تمام اسالیب میں مشترک تھی جس سے معلوم ہوا کہ شریعت یہ اختیار امت کو تفویض کرتی ہے کہ وہ کسے اپنے امور کی دیکھ بھال کے لئے خلیفہ چنے۔ تمام خلفائے راشدین اس بیعت ہی کے ذریعے خلافت کے منصب پر فائز ہوئے نہ کہ محض کسی کے نامزد کرنے پر۔

خلیفہ کے چناؤ میں لوگوں پر کسی قسم کا دباؤ یا جبر جائز نہیں۔ اور یہ بیعت اس شرط پر ہوتی ہے کہ منتخب شخص ان پر اسلام کو مکمل طور پر نافذ کریگا۔ خلیفہ میں ان سات شرائط کا موجود ہونا لازمی ہے: کہ وہ شخص ایک آزاد اور عاقل بالغ مسلمان مرد ہو، نیز وہ عدول ہو (یعنی فاسق نہ ہو) اور اس

میں حکومت چلانے کی قابلیت موجود ہو۔

k میں قوانین اخذ کرنے کا طریقہ کار اور شوریٰ کا عمل دخل:

اسلام نے مختلف نظاموں سے متعلق صرف اصول ہی بیان نہیں کیے بلکہ تفصیلی قوانین بھی دیے ہیں۔ مثال کے طور پر معاشی نظام میں اراضی، سود، کرنسی، عوامی ملکیت اور محاصل سے متعلق شرعی احکامات؛ خارجہ پالیسی میں جہاد، بین الاقوامی معاہدات، سفارتی تعلقات سے متعلق احکامات۔ اسی طرح نظامِ حکومت میں انتخاب، بیعت، والیوں کے تقرر اور ان کی برطرفی سے متعلق تفصیلی احکامات شریعت میں موجود ہیں۔ خلیفہ ان قوانین کو من وعن نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ خلیفہ نہ تو ان معاملات میں اپنی ذاتی پسند یا ناپسند پر عمل کر سکتا ہے اور نہ ہی خلیفہ کو ان احکامات کو نافذ کرنے کے لیے عوام کے نمائندوں کی اکثریت کی اجازت درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ ان تمام معاملات میں خلیفہ اور عوامی نمائندوں دونوں کو اپنی مرضی اور منشاء سے قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں۔ لہٰذا خلافت میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو ریاستی قوانین بننے کے لیے اکثریت کی بیساکھی یا توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی جو کہ جمہوری طرزِ حکومت میں قانون سازی کے لیے ایک لازمی شرط ہوتی ہے۔ یوں خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ یا قانون سازی کا اختیار عوام کی اکثریت کی بجائے حقیقی طور پر اللہ کی شریعت کو حاصل ہوتا ہے۔ مزید برآں ان امور میں عوام یا اہل حل وعقد سے ان کا ذاتی مشورہ طلب نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ معاملہ شرعی احکام کا ہے جس میں مشورے کی کوئی حیثیت نہیں۔ جیسا کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر دیکھا کہ آپ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کو یہ کہہ کر یکسر مسترد کر دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور میں اس کے حکم سے روگردانی نہیں کرونگا۔

جہاں تک ان شرعی احکامات کا تعلق ہے جن میں اجتہادی یا فقہی اختلاف کی گنجائش موجود ہے تو ان میں شریعت نے یہ اختیار خلیفہ کو دیا ہے کہ وہ جس فقہی رائے کو شرعی دلیل کی بنیاد پر قوی اور مضبوط ترین سمجھے، اسے ریاستی قانون کے طور پر نافذ کرے۔ اس کی دلیل اجماعِ صحابہ

ﷺ ہے۔ صحابہ ﷺ کا اس بات پر اجماع ہے کہ خلیفہ احکام اختیار کرنے کی اتھارٹی رکھتا ہے اور ان پر عمل کرنے کا حکم دے سکتا ہے اور اِن معاملات میں مسلمانوں پر اپنی فقہی آراء کو چھوڑ کر خلیفہ کے حکم پر چلنا فرض ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو بکر ﷺ نے اپنی خلافت کے دوران صحابہ ﷺ کی اکثریتی رائے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی رائے کو نافذ کیا اور مرتدین زکوٰۃ، جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور رومیوں کے خلاف ایک ساتھ لشکر کشی فرمائی۔ نیز عمر ﷺ نے عراق کے مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کے متعلق اپنے اجتہاد کو نافذ فرمایا اگرچہ بلال ﷺ اور کئی اکابر صحابہ ﷺ کا اجتہاد آپ سے مختلف تھا۔

چنانچہ خلیفہ ہی مختلف اجتہادات میں سے اُس اجتہاد کو بطورِ قانون نافذ کرتا ہے جسے وہ مضبوط ترین دلیل کی بنیاد پر اللہ کا حکم سمجھتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس قانون کی پابندی کرنا لازم ہوتا ہے۔ تاہم خلیفہ کے لیے کسی ایسے حکم کو نافذ کرنا حرام ہے جس کا ''ادِلّہ شرعیہ'' سے صحیح طور پر استنباط نہ کیا گیا ہو۔ خلیفہ ان احکامات کو اختیار کریگا جن کا تعلق معاشرے کے اجتماعی امور کی تنظیم یا ریاستی معاملات چلانے سے ہو۔ وہ انفرادی عبادات اور عقائد کی تفصیلات میں کسی مخصوص رائے کو معاشرے پر لاگو نہیں کریگا اور لوگ ان معاملات میں کسی بھی اجتہاد یا فقہ کے مطابق عمل کرنے میں خود مختار ہوں گے۔

مباح امور میں اور ملکی نظم ونسق چلانے کے لئے حکومتی فیصلے اور شوریٰ کا عمل دخل:

ان امور کی دو قسمیں ہیں:

ا) وہ اُمور جن میں عوام خاطر خواہ علم رکھتے ہیں اور جو کہ آپریشنل یا عملی نوعیت کے ہیں۔ خلیفہ ان میں عوام کی اکثریت کی رائے پر چلنے کا پابند ہوگا مثلاً اگر خلیفہ ایک علاقے کے رہائشی افراد سے یہ استفسار کرلے کہ آیا پہلے سڑکوں کو بہتر بنایا جائے یا علاقے میں یونیورسٹی قائم کی جائے، تو ایسی صورت میں خلیفہ کے لیے عوام کی اکثریت (یعنی ان کے نمائندوں کی اکثریت) کے فیصلے کو نافذ کرنا لازم ہوگا۔ اس کی دلیل غزوۂ اُحد کا واقعہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ اور کُبار صحابہ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ رہ کر قریش کا مقابلہ کیا جائے جبکہ اکثریت خصوصاً جوان صحابہ ﷺ کی رائے تھی کہ قریش

کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کی بجائے اکثریتی رائے کو نافذ فرمایا اور قریش کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر احد کے مقام پر فرمایا۔

ب) وہ امور جن میں محض ماہرین ہی علم رکھتے ہیں اور عوام الناس عموماً ان کے بارے میں خاطر خواہ علم نہیں رکھتے ان میں خلیفہ عوام الناس کی بجائے فقط ماہرین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ان سے مشورے کے بعد خلیفہ کی نظر میں جو بھی رائے زیادہ مناسب ہو، اسے اختیار کرتا ہے۔ اس میں عوام کی یا تکنیکی ماہرین کی اکثریت کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ اگر بجلی کی قلت کا سامنا ہو تو خلیفہ تکنیکی ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد حتمی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ ایٹمی توانائی سے بجلی پیدا کی جائے یا شمسی توانائی پر انحصار کیا جائے۔ اس کی دلیل غزوۂ بدر کا واقعہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک صحابی (حباب بن منذر رضی اللہ عنہ) کی رائے پر لشکر کے پڑاؤ کی جگہ کو تبدیل کر دیا کیونکہ حباب رضی اللہ عنہ ایسے امور میں مہارت رکھتے تھے۔

تاہم مندرجہ بالا تمام امور میں امت اور ان کے نمائندے خلیفہ کا محاسبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال عوام کی بھلائی کے لیے درست انداز میں کرے۔

جمہوری نظام حکومت میں مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں عوامی نمائندوں کے اکثریتی فیصلے کی اتباع سب پر لازم ہوتی ہے جبکہ خلافت میں عوام کی اکثریت صرف ایک پہلو میں فیصلے کا اختیار رکھتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ دوسری طرف آمریت میں مندرجہ بالا تینوں صورتوں کے متعلق فیصلے کا اختیار فردِ واحد کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ لوگوں کے مشورے کو یکسر مسترد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جبکہ خلافت میں خلیفہ کے پاس صرف ایک جہت یعنی تکنیکی وفنی اُمور میں ماہرین سے مشورے کے بعد اپنی صوابدید کے تحت بہتر رائے کو نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ یوں خلافت میں مشورے کا عمل آمریت اور جمہوریت دونوں سے مختلف ہے اور اسے محض اس لئے جمہوریت کے مماثل سمجھ لینا کہ اس میں مشورہ کیا جاتا ہے ایک فاش غلطی ہے۔ جمہوریت، آمریت اور خلافت میں فیصلے کس طرح ہوتے ہیں اِس کا ایک اجمالی نقشہ اگلے صفحات پر دیا گیا ہے:

جمہوریت میں فیصلے کرنے کا حق

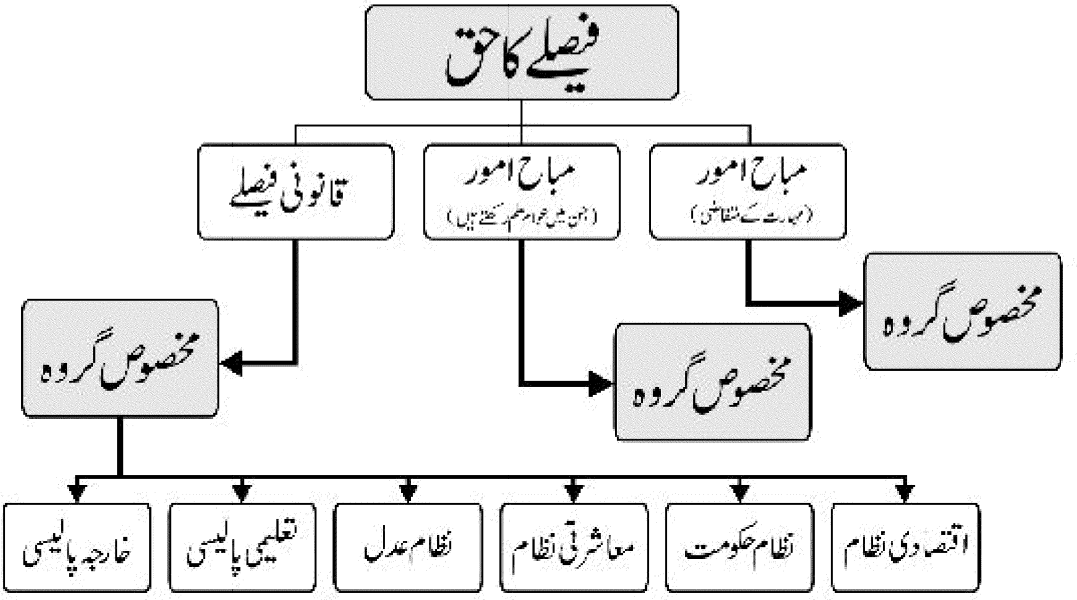

آمریت میں فیصلے کرنے کا حق

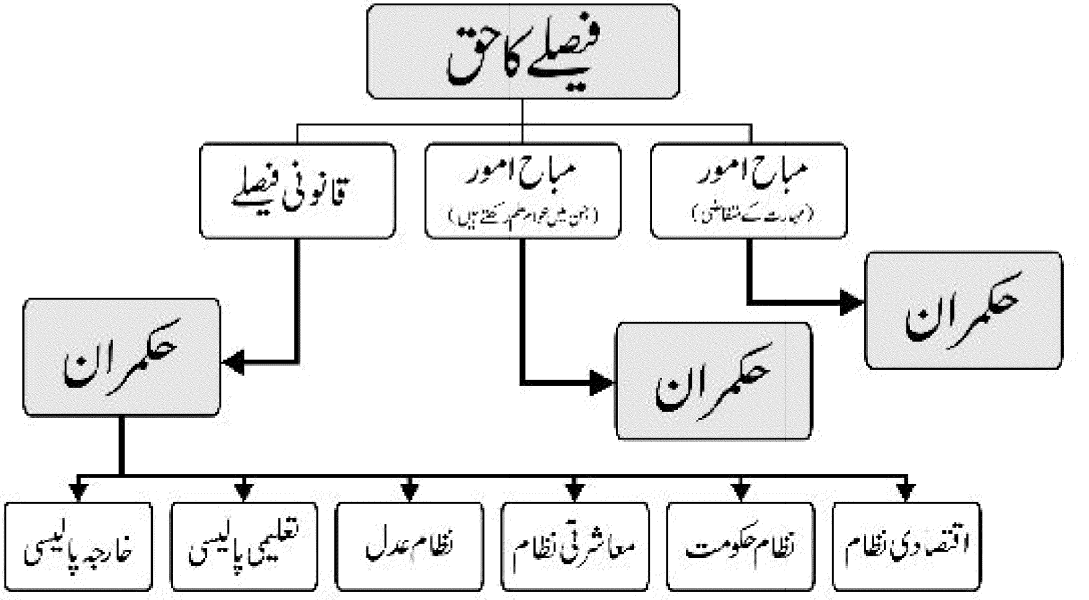

خلافت میں فیصلے کرنے کا طریقہ کار

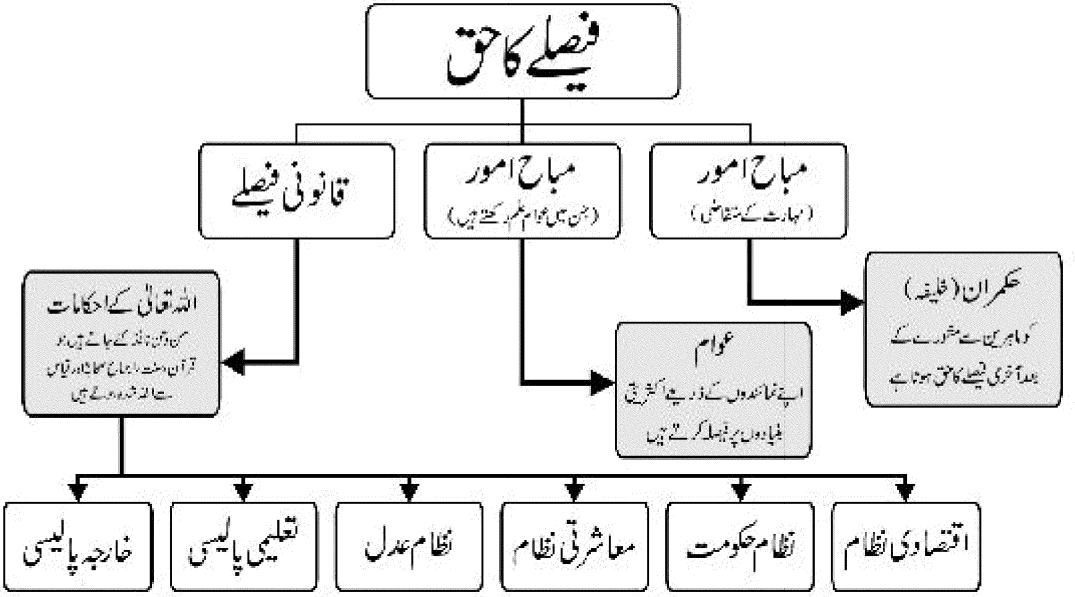

خلیفہ کا محاسبہ:

اسلام میں خلیفہ مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر حکمرانوں کا محاسبہ کرنا عوام پر فرض ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((**سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام الى إمام جائر فأمره و نهاه فقتله**)) ''شہداء کے سردار حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ شخص بھی جو جابر حکمران کے سامنے کھڑا ہوا اور اسے (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا اور اس (حکمران) نے اسے قتل کر دیا'' (حاکم)۔ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((**والذى نفسى بيده لتأمرنّ بالمعروف و لتنهَوُنَّ عن المنكر، أو ليوشكنَّ الله أن يبعث عليكم عقاباً من عنده، ثم لتدعنّه فلا يستجيب لكم**)) ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے ورنہ خطرہ ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل کر دے پھر تم اسے پکارو لیکن وہ تمہاری دعا قبول نہ کرے''۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں ایک عام شہری، سیاسی جماعتیں اور مجلسِ امت حکمرانوں کا محاسبہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ عدلیہ میں قاضی مظالم ازخود نوٹس لیتے ہوئے خلیفہ کی سرزنش کر سکتا ہے۔ قاضی مظالم خلیفہ کو ہٹانے کا اختیار بھی رکھتا ہے اگر خلیفہ کو ہٹانا ظلم کو دور کرنے کے لیے لازم ہو۔

خلیفہ کی معزولی:

عوام بیعت کے عَقد (contract) کے ذریعے ایک شخص کو اپنے اوپر خلیفہ مقرر کرتے ہیں، تاہم عوام اپنی مرضی سے اس عقد کو جب چاہیں فسخ یا ختم نہیں کر سکتے۔ خلیفہ کو صرف اس وقت معزول کیا جا سکتا ہے اگر وہ عوام سے کے ساتھ کیے گئے اس عقد کی بنیادی شرائط سے انحراف کرے یعنی اگر وہ اسلام کے بجائے کفر نافذ کرے یا اس میں خلیفہ کے عہدے پر برقرار رہنے کی شرائط معدوم ہو جائیں، مثلاً وہ کافر یا فاسق ہو جائے یا اسے ہٹانا ظلم کو دور کرنے کے لیے لازم ہو۔ اس صورت میں قاضی مظالم شواہد کی روشنی میں خلیفہ کو معزول کرنے کا فیصلہ صادر کرتا

ہے۔ نیز مقدمے کی سماعت کے دوران خلیفہ اس قاضی کو معزول نہیں کر سکتا۔

ریاست کی وحدت:

تمام امتِ مسلمہ کی ایک ہی ریاست ہونا اور ان کا ایک خلیفہ کی قیادت تلے متحد ہونا فرض ہے۔ مسلمانوں کا ایک سے زائد ریاستیں بنانا یا ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلیفہ مقرر کرنا حرام ہے۔ مسلمانوں کی وحدت اور طاقت ان کی ریاست کے ایک ہونے اور ایک امیر کی امارت تلے اکٹھا ہونے میں مضمر ہے، جو مکمل اسلام کو نافذ کر رہا ہو۔ اسلام اس بات کی سختی سے تلقین کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((**إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما**)) ''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو'' (مسلم)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ((**من أتاكم وأمركم جميعٌ على رجل وا حد يريد أن يشق عصاكم، أو يفرق جماعتكم فاقتلوه**)) ''جب تم اپنے امور کے لیے کسی ایک شخص پر متفق ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری جماعت (یعنی امتِ مسلمہ) کو تقسیم کرے تو اسے قتل کر دو'' (مسلم)۔

معاونین:

معاونین وہ وزیر ہیں جنہیں خلیفہ خلافت کے بوجھ کو اٹھانے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہداء برا ہونے میں اپنی معاونت کے لیے مقرر کرتا ہے۔ یہ معاونین جمہوری وزراء کی مانند نہیں ہوتے، ان کا تقرر، اختیارات اور ذمہ داریاں جمہوری وزراء سے یکسر مختلف ہیں۔ ان کی دو اقسام ہیں:

معاون تفویض:

معاون تفویض خلیفہ کا نائب ہوتا ہے اور خلیفہ اسے وہ تمام اختیارات سونپتا ہے جو کہ حکمرانی سے متعلق خلیفہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ خلیفہ کی رائے اور اجتہاد کے مطابق حکمرانی کے

امور چلاتا ہے۔ معاون تفویض کا تقرر کسی ایک شعبے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اسے عمومی اختیارات حاصل ہوتے ہیں مثلاً والیوں کا تقرر کرنا، جہاد کے لیے فوج کی تیاری کا جائزہ لینا۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ معاونِ تفویض کے اعمال اور تدابیر کا جائزہ لے، تاکہ ان میں سے صحیح کو برقرار رکھے اور غلط کا تدارک کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا معاون مقرر فرمایا تھا۔

معاون تنفیذ:

معاون تنفیذ احکامات کی تنفیذ میں خلیفہ کی معاونت کرتا ہے۔ معاون تنفیذ کا کام انتظامی امور سے متعلق ہوتا ہے اور اس کا کام حکمرانی کرنا نہیں ہوتا۔ اس کے دفتر کا کام خلیفہ کی جانب سے داخلی اور خارجی امور سے متعلق صادر ہونے والے احکامات کو نافذ کرنا اور ان سے پیغامات کو خلیفہ تک پہنچانا ہے۔ گویا معاونِ تنفیذ خلیفہ اور دوسروں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ وہ خلیفہ کی طرف سے پیغام لاتا ہے اور خلیفہ کی طرف مندرجہ ذیل امور کے متعلق پیغام لے کر جاتا ہے:

ا) عوام کے ساتھ تعلقات سے متعلق
ب) بین الاقوامی تعلقات سے متعلق
ج) فوج یا لشکر سے متعلق
د) فوج کے علاوہ دیگر ریاستی شعبوں سے متعلق پیغام رسانی

والی:

خلافت کو تنظیمی لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ہر علاقہ وِلایہ کہلاتا ہے۔ ہر ولایہ میں مقرر کردہ والی خلیفہ کے تفویض کردہ اختیارات کے ذریعے اس علاقے میں اسلام کے نفاذ، امن و عامہ اور لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف

علاقوں پر والی مقرر کئے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا اور باذان بن ساسان کو قبولِ اسلام کے بعد یمن کا والی مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے ایسے والی بھی متعین فرمائے جن کے ذمے حکومت، عدالت جہاد، اموال الغرض تمام امور کی دیکھ بھال تھی، اور آپ ﷺ نے ایسے والی بھی مقرر فرمائے جو تمام حکومتی امور کی بجائے کچھ مخصوص اختیارات رکھتے تھے مثلاً اموال، جہاد، عدلیہ وغیرہ میں سے کسی ایک کی۔ لہٰذا خلیفہ حالات کے مطابق دونوں طرح کے والی مقرر کرسکتا ہے۔ چنانچہ خلافت میں ولایات میں والیوں کو عدلیہ، فوج اور اموال کے علاوہ حکمرانی کے دیگر تمام امور سونپے جائیں گے۔ جبکہ ان تینوں امور پر خلیفہ علاقے کے والی کی بجائے دیگر اشخاص کو مقرر کریگا تاکہ والی اس قدر خودمختار نہ ہوجائیں کہ وہ (ماضی کی طرح) خلیفہ کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہوئے خلافت کو کمزور کرسکیں۔

اگر ولایہ کی اکثریت والی سے ناخوش ہو یا اس پر عدم رضامندی کا اظہار کرے تو خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ اس والی کو تبدیل کردے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے عامل علاء بن حضرمی کو عبدقیس کے وفد کی شکایت پر معزول کردیا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس وقت معزول کردیا جب لوگوں نے ان کے خلاف شکایت کی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نے انہیں کسی نااہلی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا۔

مجلسِ اُمت:

اللہ تعالیٰ نے امت کو مشورہ دینے کا حق عطا فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کے محاسبے کو بھی امت پر فرض کیا ہے۔ مجلسِ امت وہ ادارہ ہے جس میں منتخب نمائندے امت کی نمائندگی کرتے ہوئے خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں اور خلیفہ کا محاسبہ بھی کرتے ہیں۔ غیر تکنیکی مباح امور میں مجلسِ اُمت کے دیے ہوئے مشورے پر عمل کرنا خلیفہ پر لازم ہوتا ہے۔ لیکن وہ اُمور جو تکنیکی، فنی یا علمی نوعیت کے ہوں اور جن کی عوام عام طور پر سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تو ان امور میں مجلسِ امت مشورہ تو دے سکتی ہے لیکن اس پر عمل کرنا خلیفہ پر لازم نہیں ہوتا۔ مجلسِ

امت خلیفہ کے انتقال یا معزولی کی صورت میں خلیفہ کا انتخاب بھی کرتی ہے۔ تاہم جمہوریت کے برخلاف مجلسِ اُمت قانون سازی کا اختیار نہیں رکھتی اور نہ ہی ان کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہیں عدم اعتماد کا ووٹ استعمال کر کے خلیفہ کو معزول کر دیں۔

ریاست کے غیر مسلم باشندوں کے لئے مجلس امت کا رُکن بننا جائز ہے تا کہ وہ اپنے اوپر اسلام کے نفاذ میں کوتاہی یا کسی حکمران کے ظلم کی شکایت کر سکیں۔ لیکن خلیفہ کے چناؤ میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

اسی طرح ہر ولایہ میں ایک مجلسِ ولایہ ہوگی، جو اُس ولایہ کے والی کو مشورہ دے گی۔ مجلسِ ولایہ کے اراکین کا انتخاب ہر پانچ سال بعد الیکشن کے ذریعے کیا جائے گا۔ مجلسِ ولایہ کی اکثریت اگر اپنے والی پر عدم اعتماد کا اظہار کرے تو ایسی صورت میں خلیفہ پر اس والی کو معزول کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ ہر مجلسِ ولایہ اپنے میں سے چند لوگوں کا انتخاب کر کے مجلس امت میں بھیجتی ہے جو دارالخلافہ میں اس ولایہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

امیرِ جہاد-شعبۂ حرب:

امیر جہاد وہ شخص ہے جسے خلیفہ شعبۂ حرب پر امیر مقرر کرتا ہے۔ شعبۂ حرب کا تعلق فوج کی عسکری و اسلامی تربیت، فوجی آلات، اسلحہ، گولہ بارود وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ جبکہ خلیفہ ہی فوج کا قائد ہوتا ہے، وہی فوج کے کمانڈر انچیف اور ہر بریگیڈ اور ہر ڈویژن کے کمانڈر کا تقرر بھی کرتا ہے۔ کیونکہ خلیفہ اسلام کو نافذ کرنے اور اسلام کی دعوت پوری دنیا تک پہنچانے کے لیے تمام مسلمانوں کا قائد ہے، اور یہ چیز اس کی بیعت کے عَقد میں شامل ہوتی ہے۔ اسلام کی دعوت کو دنیا تک پہنچانے کا طریقہ جہاد ہے۔ لہٰذا جہاد کو سرانجام دینا خلیفہ ہی کی ذمہ داری ہے اور وہی فوج کا قائد ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود جہاد کی قیادت کیا کرتے تھے۔ کئی غزوات میں آپ ﷺ بذاتِ خود لشکر کے امیر تھے، گو کہ متعدد لڑائیوں میں آپ نے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کو لشکر کا امیر بھی بنا کر بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے، لہٰذا فوجی تربیت حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ پس خلافت میں کوئی بھی مسلمان مرد جو 15 سال کی عمر کو پہنچ جائے اس پر جہاد کی تیاری کے سلسلے میں عسکری تربیت حاصل کرنا لازم ہوگی۔ جبکہ فوج میں بھرتی فرضِ کفایہ ہے اس لئے ہر شہری کے لیے فوج کا حصہ بننا لازم نہیں ہوگا۔

شعبۂ داخلی امن وسلامتی:

شعبۂ داخلی امن وسلامتی، وہ شعبہ ہے جو امن وامان سے متعلق ہر چیز کا ذمہ دار ہے، اور ہر اس چیز کو روکنے کا ذمہ دار ہے جو داخلی امن وسلامتی کے لیے خطرے کا باعث ہو مثلاً ارتداد، بغاوت، حرابہ، لوگوں کے جان و مال اور عزت پر حملہ، حربی کفار کے لیے جاسوسی کرنے والے مشتبہ افراد کی نگرانی وغیرہ۔ امن کی ضمانت پولیس کے ذریعے دی جاتی ہے۔ تاہم ضرورت پڑنے پر شعبۂ امن وسلامتی خلیفہ کی اجازت سے فوج کو استعمال کرسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوج کو مسلح قوت کے طور پر استعمال کیا اور آپ ﷺ نے ایک حصے کا انتخاب کیا کہ وہ پولیس کا کام سرانجام دیں۔ بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((**أن قيس بن سعد كان يكون بين يَدَي النبي ﷺ بمنزله صاحب الشُرَطِ مِن الأمير**)) ''قیس ابن سعد رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے اس طرح ہوتے تھے جس طرح سپاہیوں کا سردار امیر کے ساتھ ہوتا ہے'' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرطہ یا پولیس امن وامان کو قائم کرتی ہے اور سلامتی کو برقرار رکھتی ہے۔

شعبۂ خارجہ:

شعبۂ خارجہ ان تمام خارجی امور کو سرانجام دیتا ہے، جن کا تعلق ریاستِ خلافت کے دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلق کے ساتھ ہے۔ خواہ یہ تعلقات سیاسی نوعیت کے ہوں یا اقتصادی یا صنعتی یا زرعی یا تجارتی نوعیت کے؛ یا ان تعلقات کی نوعیت مواصلاتی رابطہ کی ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ

نے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد دیگر ریاستوں کے ساتھ خارجہ تعلقات استوار کیے۔ آپ ﷺ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کے ساتھ مذاکرات کے لیے روانہ کیا، اس طرح آپ ﷺ نے بذاتِ خود قریش کے وفد کے ساتھ مذاکرات کیے۔ آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو وفود بھیجے اور اور دیگر بادشاہوں اور سربراہاں نے بھی آپ کی طرف وفود بھیجے۔

اسلامی دعوت کو پیش کرنا ہی خارجی سیاست کے لیے محور و مدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی بنیاد پر اسلامی ریاست دیگر تمام ریاستوں سے تعلقات قائم کرتی ہے۔ چنانچہ اچھی ہمسائیگی، اقتصادی، تجارتی، مالیاتی، ثقافتی معاہدات یا عارضی جنگ بندی کے معاہدات اسلام کی دعوت کو پھیلانے اور امتِ مسلمہ کے مفاد کے نقطہ نظر سے ہی کیے جائیں گے۔ اور جو ممالک ہمارے ساتھ عملاً حالتِ جنگ میں ہیں جیسا کہ اسرائیل تو اس کے ساتھ تمام معاملات کو حالتِ جنگ کی بنیاد پر نپٹایا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہمارا معاملہ عملی جنگ کا ہوگا، خواہ اس کے ساتھ عارضی جنگ بندی کا معاہدہ ہو یا نہ ہو، اور اس کے شہری ہمارے ملک میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔ اسی طرح کسی ملک سے فوجی معاہدات، اڈے اور ائرپورٹ وغیرہ کرایہ پر دینے کے معاہدے اور اس نوعیت کے دیگر معاہدات نہیں کیے جائیں گے۔

شعبۂ صنعت:

یہ شعبہ، صنعت سے متعلق تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، خواہ ان امور کا تعلق بھاری صنعت سے ہو جیسے انجن اور مشین سازی، گاڑیوں کے ڈھانچے، جنگی جہازوں کی تیاری یا پھر یہ ہلکی نوعیت کی صنعت ہو مثلاً الیکٹرانکس کا سامان۔ خلافت میں تمام کارخانے جنگی پالیسی کی بنیاد پر استوار کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ جہاد کے لیے فوج کو اسلحے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اسلحے کے اعلیٰ ترین معیار اور بھرپور دستیابی کے لیے ضروری ہے کہ ریاست میں اعلیٰ درجے کی صنعت موجود ہو۔ پس صنعت کا جہاد کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور یہ اس سے براہِ راست منسلک ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

تُرۡهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِينَ مِنۡ دُونِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُونَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ﴾ ''اور تم اپنی مقدور بھر قوت اور گھوڑوں کو ان کے لیے تیار رکھو، تا کہ اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو اور اس کے سوا اُن کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے'' (الانفال:60)

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ اسلامی ریاست کے اموراس کے اپنے ہاتھ میں ہوں اور اس پر دیگر ممالک کا اثر ورسوخ نہ ہو، ریاست کے لیے لازمی ہے کہ وہ بذاتِ خود اسلحہ سازی کرے اور اسے بہتر سے بہتر بنائے۔ کیونکہ وہ ریاستیں جو دوسری ریاستوں کو اسلحہ فروخت کرتی ہیں وہ با آسانی ہر قسم کا اسلحہ فراہم کرنے پر تیار نہیں ہوتیں خاص طور پر جب یہ اسلحہ جدید ترین ہو۔ نیز اسلحہ کی فروخت کے ساتھ کچھ شرائط منسلک ہوتی ہیں جس میں اس اسلحے کا استعمال بھی شامل ہے اور یہ اسلحہ ایک خاص تعداد اور مقدار میں فروخت کیا جاتا ہے جس کا تعین خریدنے والے ملک کی بجائے اسلحہ فروخت کرنے والی ریاستیں خود کرتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں اسلحہ فروخت کرنے والی ریاستوں کو اسلحہ خریدنے والی ریاست پر اختیار اور اثر ورسوخ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اسلحہ خریدنے والی ریاست پر اپنی مرضی ٹھونسنے کے قابل ہو جاتی ہیں، خاص طور پر اس وقت جب یہ ریاست حالتِ جنگ میں ہو۔ لہٰذا ان تمام وجوہات کی بنا پر اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ تمام تر اسلحہ سازی خود کرے اور ہر وہ چیز بذاتِ خود تیار کرے جو اسے جنگی مشینوں اور ان کے فاضل پرزوں کی تیاری کے لیے درکار ہو۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ریاست کے پاس بھاری صنعت موجود نہ ہو اور وہ ایسی فیکٹریاں نہ لگائے جو بھاری مشینری تیار کرتی ہوں خواہ یہ مشینری فوجی استعمال سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ۔

بھاری صنعت میں ہونے والی ریسرچ اور ترقی دیگر صنعتوں میں ترقی کا باعث بھی بنتی ہے اور عوام کے معیارِ زندگی میں بہتری رونما ہوتی ہے۔ خلافت سائنس اور ٹیکنالوجی میں دنیا کی صفِ اول کی ریاست بنے گی جیسا کہ ماضی میں صدیوں تک یہ اعزاز خلافت کو حاصل رہا۔

عدلیہ:

خلافت میں تین طرح کے قاضی ہوتے ہیں:

قاضی: جو لوگوں کے درمیان معاملات اور عقوبات سے متعلق جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔

قاضی محتسب: جس کا کام ان اختلافات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے جو جماعت (معاشرہ) کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

قاضی مظالم: جس کا کام عوام اور حکومت کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قاضیوں کو مقرر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن پر قاضی مقرر فرمایا اور انہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق یہ ہدایت کی: ((**إذا تقاضى إليك رجلان فلا تقض للأول حتى تسمع كلام الآخر فسوف تدري كيف تقضي**)) ''جب دو شخص تمہاری طرف فیصلے کے لیے آئیں تو تم ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرنا جب تک کہ تم دوسرے شخص کی بات بھی نہ سن لو، پس تم جان لوگے کہ کیسے فیصلہ کرنا ہے'' (رواہ الترمذی)۔ اسی طرح آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو الجند پر قاضی بنا کر بھیجا۔ اور فتح مکہ کے بعد سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مکہ کے بازار پر قاضی مقرر فرمایا۔

قاضی کے عہدے پر مقرر کیے جانے والے ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، بالغ، عاقل، عادل اور فقیہہ ہو اور اس بات سے واقف ہو کہ احکامات کو واقعات پر کس طرح منطبق کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی کافر شخص قاضی نہیں بن سکتا کیونکہ وہ ان اسلامی احکامات پر ایمان ہی نہیں رکھتا جن کے مطابق اسلامی ریاست میں عدل کیا جاتا ہے۔ قاضی مظالم کے لیے باقی

شرائط کے علاوہ مجتہد ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مظالم کے ضمن میں قاضی کو اس امر کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کہ کہیں حکمران اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ کسی اور چیز سے حکومت تو نہیں کر رہا، یعنی وہ ایسے قانون کی بنا پر حکومت کر رہا ہے جس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں یا وہ دلیل جو حکمران استعمال کر رہا ہے وہ اُس معاملے سے متعلق نہیں۔ صرف مجتہد ہی اس طرح کے مظالم کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ مجتہد نہیں ہے تو پھر وہ ایسی چیز کے متعلق فیصلہ کر رہا ہوگا جس کے بارے میں وہ بہت کم علم رکھتا ہے یا کوئی علم نہیں رکھتا اور یہ چیز حرام ہے۔

بیت المال:

بیت المال کا شعبہ حاصل ہونے والے اموال اور ان کے تصرف کا انتظام احکامِ شریعت کے مطابق کرے گا، یعنی ان کا جمع کرنا، ان کی حفاظت اور انہیں خرچ کرنا۔ شعبۂ بیت المال کا سربراہ ''خازن بیت المال'' کہلاتا ہے۔ ہر ولایہ میں بیت المال کی شاخیں ہوں گی اور ہر شاخ کا سربراہ ''صاحبِ بیت المال'' کہلائے گا۔

میڈیا:

میڈیا کا شعبہ ریاست کی میڈیا پالیسی وضع کرتا ہے اور اسے نافذ کرتا ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو پورا کیا جائے۔ داخلی طور پر یہ ایک قوی اور متحد و مربوط اسلامی معاشرے کی تشکیل کرتا ہے، جو خباثت کو نکال باہر کرے اور طیب چیزوں کو فروغ دے۔ اور خارجی طور پر میڈیا کا شعبہ اسلام کو امن اور جنگ کے دوران اس انداز میں پیش کرتا ہے، جو اسلام کی عظمت، اس کے عدل اور اس کی فوجی قوت کو ظاہر کرے، اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں کے فساد اور ظلم کو بیان کرے اور ان کی افواج کی کمزوری کو آشکار کرے۔ میڈیا ریاست کے کسی بدعنوانی اور کرپشن کو بے نقاب کرنے اور خلیفہ کی پالیسیوں پر تنقید کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔ البتہ ایسی خبریں جن کا تعلق جنگی حکمت عملی، خارجہ امور یا ایسی معلومات سے ہوتا ہے جس کے آشکار

کرنے سے ریاست کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوتا ہو، ریاست کی اجازت کے بغیر نشر یا شائع نہیں کی جاسکتیں۔ اس کے علاوہ میڈیا کسی بھی خبر کو نشر کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ سچ پر مبنی ہو اور اسلامی احکامات کے منافی نہ ہو۔

ریاست کے ہر شہری کو اپنا اخبار، چینل یا کوئی بھی نشریاتی ادارہ کھولنے کی اجازت ہوتی ہے اور اسے کسی قسم کے این او سی (No Objection Certificate) کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ اسے ریاست کے متعلقہ ادارے کو مطلع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس میڈیا کا مالک اور ایڈیٹر اس پر نشر ہونے والی ہر خبر کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور ریاست کے کسی بھی شہری کی مانند، میڈیا پر نشر یا شائع ہونے والی کسی چیز کے شریعت کے خلاف ہونے پر انکا بھی محاسبہ کیا جائے گا۔

خلافت کا سیاسی ماحول:

خلافت میں ایک سے زائد سیاسی جماعتیں ہوسکتی ہیں لیکن ان تمام جماعتوں کے لیے لازم ہے کہ ان کی بنیاد صرف اور صرف اسلام ہو۔ اشتراکیت، لسانیت، قومیت یا جمہوریت وغیرہ جیسے کفریہ افکار کی بنیاد پر قائم کسی پارٹی یا ادارے کی اسلامی نظریاتی ریاست میں کوئی گنجائش نہیں۔ لوگوں کو خلیفہ سے مختلف سیاسی یا فقہی آراء رکھنے اور انہیں لوگوں تک پہنچانے کی اجازت ہوگی ماسوائے کہ وہ فکر کفر پر مبنی ہو۔

کسی فرد، حزب، گروہ یا جماعت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کے کسی بیرونی ریاست کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات ہوں۔ دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات صرف ریاست کا کام ہے۔

خلافت پولیس سٹیٹ نہیں ہوتی۔ شہریوں کی جاسوسی کرنا حرام ہے۔ نیز کسی ملزم سے جرم کے اقرار کے لئے اسے تشدد یا ٹارچر کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اسلام کا مکمل نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ معاشرے

میں تمام مسلمان شریعت کے مطابق زندگی گزاریں، تاہم ریاست افراد کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے اور لوگوں کو تقویٰ کا ماحول مہیا کرتی ہے تاکہ لوگ تقویٰ کے جذبے کے تحت بذاتِ خود اسلام پر چلیں نہ کہ محض ریاست کے ڈر سے۔

اسلام میں حکومت کی شکل بادشاہت نہیں ہے:

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ نہایت ضروری ہے جو کہ کچھ لوگوں کے ذہن میں خلافت کے متعلق پائی جاتی ہے کہ اسلام کا نظامِ حکومت بادشاہت سے مشابہ ہے۔ اسلام نہ تو بادشاہی طرزِ حکومت کو تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی اس سے مشابہت رکھتا ہے۔ بادشاہی نظام میں حکومت موروثی ہوتی ہے جس میں بیٹا اپنے باپ سے حکومت وراثت میں حاصل کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے وہ باپ کا مال میراث میں حاصل کرتا ہے۔ بادشاہی نظام میں بادشاہ کو خصوصی حقوق اور امتیازی استثناء حاصل ہوتا ہے جو رعایا میں سے کسی اور کا استحقاق نہیں ہوتا۔ یہ حقوق اسے قانون سے بالاتر بناتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ کی حیثیت یا تو قوم کی علامت کی سی ہوتی ہے جس میں وہ ریاست کا مالک ہوتا ہے لیکن حکومت نہیں کرتا جیسے کہ یورپ کے بادشاہ؛ یا پھر وہ ریاست کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کا حاکم بھی ہوتا ہے اور وہ بذاتِ خود قانون کا ماخذ ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ملک اور رعایا پر حکومت کرتا ہے جیسے کہ سعودی عرب، مراکش اور اردن کے بادشاہ۔

جبکہ اسلامی نظامِ حکومت میں موروثی حکومت کا کوئی تصور نہیں بلکہ حکومت اسے ملتی ہے جسے امت اپنی مرضی اور اختیار سے بیعت دیتی ہے۔ اور اسلامی ریاست میں خلیفہ یا امام کو نہ کوئی امتیازی استثناء حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خصوصی حقوق کا حقدار ہوتا ہے۔ وہ امت کے باقی افراد کی طرح ایک فرد ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت امت کی علامت کی سی نہیں ہوتی جہاں امت اس کی ملکیت ہو اور وہ خود حکومت نہ چلائے اور نہ ہی اسے ایسی حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرے اور جیسے چاہے ملک و قوم کے معاملات چلائے۔ بلکہ وہ حکومت و اختیار میں امت کا نمائندہ ہوتا ہے جسے امت منتخب کرتی ہے اپنی رضامندی سے بیعت

دیتی ہے تاکہ وہ اس پر اللہ کی شرع کو نافذ کرے۔ وہ اپنے تمام کاموں، فیصلوں، امت کے امور اور مفادات کی دیکھ بھال میں احکامِ شریعت کا پابند ہوتا ہے۔

مزید برآں اسلام کے نظامِ حکومت میں ولی عہدی کا بھی کوئی تصور نہیں۔ اسلام موروثی حکومت کو مسترد کرتا ہے اور حکومت کو بطورِ وراثت حاصل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتا۔ خلیفہ یا امام صرف اس وقت حکمرانی حاصل کر سکتا ہے جب امت اپنی رضا و اختیار کے ساتھ اسے بیعت دے دے۔

حرفِ آخر

پس ثابت ہوا کہ جمہوریت بھی آمریت کی مانند ایک کفریہ استعماری نظام ہے جو ہمارے مسائل حل کرنے سے قاصر ہے۔ جب استعماری مغرب یہ دیکھتا ہے کہ آمریت کو اب مزید برقرار رکھنا مشکل ہے تو وہ جمہوریت کی بحالی کا عندیہ دیتا ہے کیونکہ جب آمریت ناکام ہو جاتی ہے تو یہ جمہوریت ہی ہے جو مغربی مفادات کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔

میرے مسلمان بھائیو! کئی سالوں سے مغربی طاقتوں نے ان آمر حکمرانوں کو آپ پر مسلط کیے رکھا اور انہوں نے مغرب کے مفادات کا بھرپور تحفظ کیا۔ اور اب جبکہ ان کا باطل ہونا آپ پر عیاں ہو چکا ہے اور آپ انہیں مسترد کر رہے ہیں تو مغربی اقوام آپ پر دوبارہ جمہوریت کو مسلط کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں تاکہ آپ کے مفادات کو قربان کر کے وہ اپنے مفادات کو بدستور محفوظ رکھ سکیں۔ وہ آپ کو دھوکے میں رکھ کر اس ظلم و جبر کے دور کو مزید طول دینا چاہتے ہیں۔ تو کیا آپ اب مزید کئی سال صَرف کریں گے تاکہ آپ جمہوریت کی اصلیت کو جان سکیں اور پھر اسے مسترد کریں، جیسا کہ آپ اس وقت آمریت کو مسترد کر رہے ہیں؟ یا آپ اس حقیقت کو آج اور ابھی پہچانیں گے کہ دراصل آپ کو ایک ہی سوراخ سے دوسری مرتبہ ڈسا جا رہا ہے۔

مغرب دراصل اس بات کو جان چکا ہے کہ اسلامی دنیا میں اب دوبارہ اسلام کا وقت آن پہنچا ہے۔ معاشرے کے ہر طبقے میں اسلام ہی موضوعِ گفتگو ہے۔ آج خلافت کے قیام کی پکار انڈونیشیا سے لے کر وسط ایشیاء تک پھیل چکی ہے۔ مغرب یہ دیکھ رہا ہے کہ ریاستِ خلافت کا واپس لوٹنا اب ناگزیر ہو چکا ہے۔ خلافت کے دوبارہ قیام کا خوف اس حد تک ان کے ذہنوں پر سوار ہو چکا ہے کہ مغرب کے حکمران اپنے عوامی خطابات میں اپنی فکرمندی کا اظہار کر رہے ہیں، اور ان کے تھِنک ٹینکوں نے خلافت سے نبٹنے کی منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا ہے۔ اس صورتِ حال میں آپ کو چاہئے کہ آپ مغرب کی طرف سے جمہوریت کے ذریعے آپ کو اسلام سے دور رکھنے کے اس آخری حربے کو

بھی ناکام بنا دیں اور اپنے علاقوں کو استعماری نظاموں سے نجات دلائیں، خواہ وہ جمہوریت ہو یا آمریت۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس نظام کو اکھاڑ کر اس کی جگہ ریاستِ خلافت کو قائم کیا جائے، ایک خلیفہ کو قرآن وسنت پر بیعت دی جائے، جو اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرے اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچائے اور اسلام کو دوبارہ پوری دنیا پر غالب کرے، جیسا کہ ماضی میں خلافت نے کیا۔

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ﴾

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو ناگوار ہی ہو'' (التوبہ:33)

ریاستِ خلافت کا ڈھانچہ

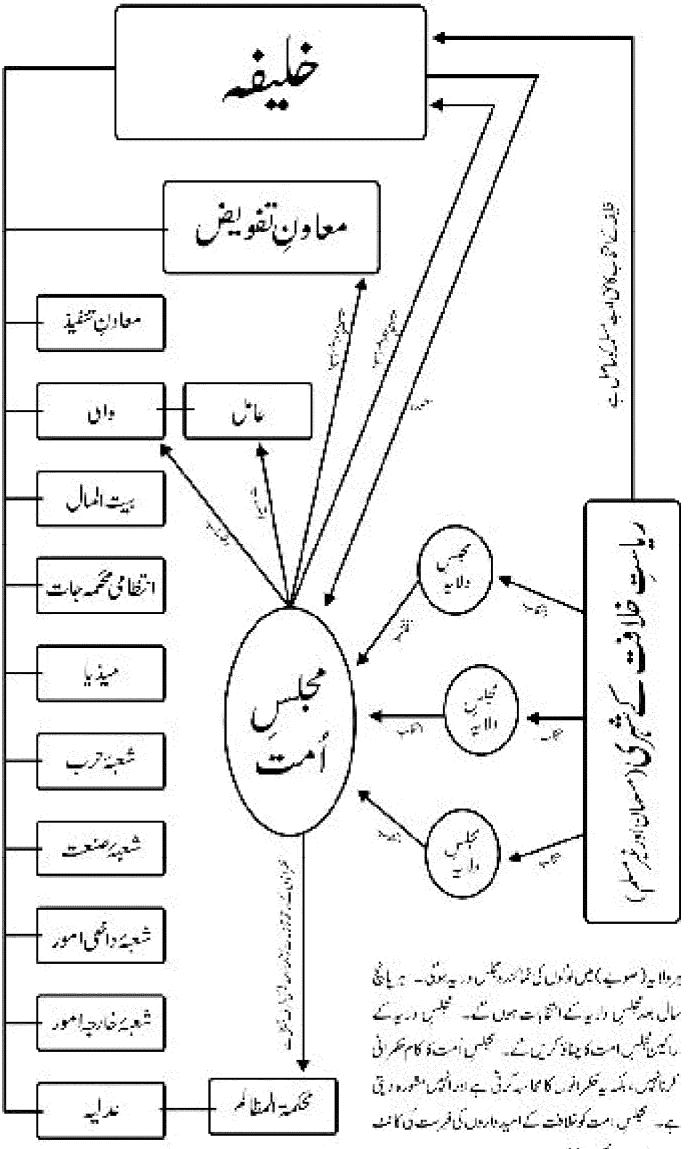

ہر ولایہ (صوبے) میں لوگوں کی نمائندہ مجلس ولایہ ہوتی۔ ہر پانچ سال بعد مجلس ولایہ کے انتخابات ہوں گے۔ مجلس ولایہ کے ارکین مجلس امت کا چناؤ کریں گے۔ مجلس امت کا کام حکمرانی کرنا نہیں، بلکہ یہ حکمرانوں کا محاسبہ کرتی ہے اور انہیں مشورہ دیتی ہے۔ مجلس امت کو خلافت کے امیدواروں کی فہرست کی کانٹ چھانٹ کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے